جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا مجاہد

نواب خان بہادر خاں شہید

تالیف

سید مصطفےٰ علی بریلوی۔ بی۔ کام

مقدمہ

از

پروفیسر محمد ایوب قادری ایم۔ اے

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

کراچی ۱۹۶۶ء

ج

جملہ حقوق بحق کانفرنس اکیڈیمی محفوظ

ناشر

سید الطاف علی بریلوی بی۔ اے (علیگ)

ڈائرکٹر

اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

سعیدہ منزل۔ نزد سر سید گرلس کالج، ناظم آباد

کراچی ۱۸

تعداد طبع بار دوم ایک ہزار

قیمت للعہ

ایجوکیشنل پریس۔ کراچی

۱۹۶۶ء

مطبوعات کانفرنس اکیڈمی

سرسید علیہ الرحمۃ اور ان کے جانشینوں کی تعلیمی اور اصلاحی تحریک کی بُنیاد ادب صالح کی تدوین و اشاعت پر رکھی گئی تھی۔ اس خصوص میں سب سے زیادہ کام ایجوکیشنل کانفرنس نے کیا۔ کانفرنس کی بنا ۱۸۸۶ء میں ڈالی گئی اور متحدہ ہندوستان میں اس کی ساٹھ سالہ زرّیں خدمات سے اہل ملک بخوبی واقف ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۱ء میں اس ادارہ کا احیاء کراچی میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے کیا گیا جس نے قیام سر سیّد گرلس کالج جیسی اہم خدمات کے علاوہ ایک "اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسیرچ" قایم کی ہے جسکی طرف سے سہ ماہی مجلّہ "العلم" اور بلند پایہ علمی و تعلیمی کتابیں شائع کی جا رہی ہیں، ان مطبوعات کی اہمیت و افادیت کے بارے میں اکابر ملّت اور جرائد کی قدر افزا آرا اور ہمّت افزا تبصرے موصول ہوئے ہیں۔ چونکہ فروخت کتب کی کل آمدنی تعلیمی مقاصد میں صرف کی جاتی ہے اس لئے ہمدرد قوم حضرات سے توقع ہے کہ وہ ان کی خریداری کر کے اپنی معارف پروری کا ثبوت دیں گے۔

سیّد الطاف علی بریلوی

فہرست مضامین

مقدمہ	پروفیسر محمد ایوب قادری ایم۔اے	صفحہ ۱ تا ۱۶
باب ۱	ابتدائی حالات	۱۷ تا ۲۱
باب ۲	سیاسی پس منظر	۲۲ تا ۳۹
باب ۳	۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی	۴۰ تا ۵۰
باب ۴	نواب خان بہادر خاں کا اقتدار	۵۱ تا ۵۵
باب ۵	نواب رام پور کی انگریز دوستی	۵۶ تا ۶۱
باب ۶	مجاہدین دہلی کا پیغام	۶۲ تا ۶۷
باب ۷	حکومتِ روہیل کھنڈ کا استحکام	۶۸ تا ۷۱
باب ۸	نواب کا حسنِ انتظام	۷۲ تا ۷۴
باب ۹	اضلاع کی حالت	۷۵ تا ۸۷
باب ۱۰	ہنگامۂ دار و گیر	۸۸ تا ۱۰۴
باب ۱۱	ٹھاکروں کی غداری	۱۰۵ تا ۱۰۷
باب ۱۲	بجنور۔ نواب محمود خاں کا اقتدار	۱۰۸ تا ۱۳۰
باب ۱۳	جنگ نینی تال	۱۳۱ تا ۱۳۸

باب ۱۴	روہیل کھنڈ پر انگریزوں کا حملہ	۱۳۹ تا ۱۵۱
باب ۱۵	نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ کا بیان	۱۵۲ تا ۱۵۵
باب ۱۶	انگریزوں کی مُسلم دُشمنی	۱۵۶ تا ۱۶۴
باب ۱۷	خان بہادر خاں کے مقدمہ کی روئداد	۱۶۵ تا ۱۷۰
باب ۱۸	خان بہادر خاں کی روپوشی اور انجام	۱۷۱ تا ۱۸۸
باب ۱۹	وفادارانِ انگریزی سرکار	۱۸۹ تا ۲۰۳
کتابیات		۲۰۴ تا ۲۱۳

انتساب

میں اپنی اس ناچیز تالیف کو دلی عقیدت اور خلوص
کے ساتھ اپنے بزرگ و محترم جناب مرزا علی اظہر برلاس
صاحب کے نام نامی پر معنون کرتا ہوں۔ جناب مرزا صاحب
تاریخ اودھ اور روہیل کھنڈ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اور
آپ کے عالمانہ تحقیقی مقالات میرے اضافۂ معلومات میں
ہمیشہ ممدّ و معاون رہے ہیں۔

نیاز کیش

سیّد مصطفٰے علی بریلوی

۱۵ر جنوری ۱۹۶۶ء

مقدمہ

(از پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب ایم۔ اے)

برصغیر پاک و ہند میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بعد مسلمانوں کا سیاسی زوال شروع ہو گیا، نئی غیر ملکی طاقتوں انگریز فرانسیسی پرتگالی اور ڈچ وغیرہ نے اپنا اپنا اقتدار جمانا شروع کیا، مقامی خودسر طاقتوں، مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں نے بھی سر اٹھایا، دہلی کی مرکزی حکومت دن بدن زوال و انحطاط کا شکار ہونے لگی، بنگال، اودھ، پنجاب اور دکن کے صوبیداروں نے آزادی اور خودمختاری کا اعلان کر دیا، اسی زمانے میں شمالی ہند میں "روہیلوں" کی ایک نئی طاقت ابھری یہ لوگ شمال مغربی پاک و ہند کے سرحدی علاقہ "روہ" کے رہنے والے تھے، ابتداءً چند جانباز اور قسمت آزما روہیلوں نے کٹھیر میں آکر مقامی زمینداروں کی ملازمتیں کیں اور پھر اپنی جمعیت کو منظم و متحد کر کے اس علاقہ میں نوابی ٹھاٹ جما دئے، ان جانبازوں میں پہلا شخص داؤد خاں روہیلہ (المقتول ۱۱۳۹ھ) تھا پھر اس کے جانشین نواب علی محمد خاں (المتوفی ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) نے روہیل کھنڈ میں باقاعدہ حکومت کی بنا ڈالی۔ یہ شخص بڑا دین دار، متشرع، صاحب حوصلہ اور عزم و ارادہ کا مالک تھا، نیز علم دوست اور علما کا قدردان بھی تھا، نواب علی محمد خاں کے بعد

روہیل کھنڈ کی حکومت حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے سنبھالی۔ حافظ الملک کا دور بھی مثالی دور رہا ہے۔ رعایا خوش حال اور فارغ البال تھی، مطلق العنانی میں جمہوریت کے انداز تھے جابجا علما و مشائخ درس و تدریس اور رشد و ہدایت کی محفلیں جمائے بیٹھے تھے آنولہ کو قبۃ الاسلام اور بریلی کو رشکِ دہلی کا درجہ حاصل تھا!۔ اپنی کتاب حیاتِ حافظ رحمت خاں میں سید الطاف علی بریلوی صاحب نے حافظ الملک کے نظام حکومت پر بڑی تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

۱۷۷۴ء میں نواب شجاع الدولہ والی اودھ اور انگریزوں کے گٹھ بندھن نے حافظ رحمت خاں کا خاتمہ کر دیا، اور اس روہیلہ سردار کی شہادت کے بعد روہیلکھنڈ بُری طرح پامال ہوا، رعایا کو خوب لوٹا گیا، روہیلوں کے گاؤں اور بستیاں ویران و خاکستر کر دی گئیں۔ ہزاروں روہیلے روہیل کھنڈ چھوڑ کر گنگا پار چلے گئے۔ حد یہ کہ مساجد اور اسلامی شعائر تک کی توہین کی گئی۔

روہیل کھنڈ کی یہ بربادی نواب شجاع الدولہ اور انگریزوں کے اتحاد سے ہوئی تھی ظاہر ہے کہ اہلِ روہیل کھنڈ انگریزوں سے کس طرح خوش رہ سکتے تھے، ان کے دل میں انگریزوں کے خلاف نفرت و انتقام کی ایک آگ بھڑک اُٹھی اور جب بھی ان کو موقع ملا انہوں نے اس کا کھلے طور پر مظاہرہ کیا۔ ۱۷۷۶ء میں نواب حُرمت خاں ابنِ حافظ الملک نے پیلی بھیت پر حملہ کیا۔ ۱۷۹۴ء میں جنگ دوجوڑہ کے موقع پر روہیلوں نے نواب آصف الدولہ کے حلیف انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ ۱۸۰۵ء میں امیر خاں بعدہٗ ۱۸۱۶ء میں خاص بریلی

میں مفتی محمد عیوض نے دادِ شجاعت دی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے موقع پر نواب خان بہادر خاں کی امارت و قیادت میں غیر ملکی طاقت کو بیخ و بن سے اکھیڑ پھینکنے کی پوری پوری کوشش کی جس زمانہ میں روہیلکھنڈ میں روہیلوں کا سیاسی اقتدار عروج پر تھا۔ اسی زمانہ میں دہلی میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور بالخصوص حضرت شاہ ولی اللہ کا اصلاحی کام زوروں پر تھا، مشہور روہیلہ سردار نواب نجیب الدولہ (ف ۱۷۷۰ء) حضرت شاہ ولی اللہ کا خاص طور سے معتقد تھا اس نے نہ صرف اسلامی علوم و فنون کی نشر و اشاعت کیلئے دار العلوم دارانگر کو قائم کیا بلکہ شاہ ولی اللہ کے اثر اور مشورے سے دہلی کی سیاسی قوت کو استحکام بخشنے کیلئے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ تاریخ کے طالب علم سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے اصلاحی کام کو ان کے لائق بیٹوں حضرت شاہ عبد العزیز (ف ۱۲۳۹ھ م ۱۸۲۳ء) شاہ رفیع الدین (ف ۱۲۳۳ھ م ۱۸۱۸ء) اور شاہ عبد القادر (ف ۱۲۳۰ھ ۱۸۱۴ء) نے آگے بڑھایا، اہل روہیل کھنڈ براہ راست اس خانوادۂ ولی اللہی سے استفادہ کرتے تھے اور اس علمی استفادہ کے ساتھ ساتھ ان کے سیاسی اور اصلاحی رجحانات سے بھی متاثر ہوتے تھے۔ شاہ عبد العزیز کے روہیل کھنڈ کے احباب میں مولانا رفیع الدین مراد آبادی (ف ۱۲۱۸ھ م ۱۸۰۴ء) اور اخوند عبد الرحمن رام پوری کا نام سرفہرست ہے، اوّل الذکر ان کے والد شاہ ولی اللہ کے خاص تلامذہ میں ہیں اور شاہ عبد العزیز سے خصوصی تعلقات تھے اور ثانی الذکر رام پور کے بڑے ذی مرتبت صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ شاہ عبد العزیزؒ نے جب ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا تو رام پور روہیلکھنڈ

میں قیام کا ارادہ ظاہر فرمایا، اسی زمانہ میں ان کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین بھی تشریف لائے اور مولوی مجد الدین عرف مولوی مدن (ف ۱۲۲۸ھ م ۱۸۱۳-۴ء) سے علمی مذاکرہ بھی ہوا۔

شاہ عبد العزیز کے روہیل کھنڈ کے تلامذہ میں مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی ثم کانپوری (ف ۱۲۸۱ھ م ۱۸۶۴ء) مولوی عبد العلی سہسوانی (ف ۱۲۶۰ھ م ۱۸۴۳-۴ء) مولوی غلام جیلانی رفعت رام پوری (ف ۱۲۳۴ھ م ۱۸۱۸ء) اور مولوی حیدر علی رام پوری (ف ۱۲۵۶ھ م ۱۸۴۰ء) وغیرہ کے نام نہایت نمایاں ہیں۔ اول الذکر نے کانپور کو اپنی اصلاحی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور آخر الذکر سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے سرگرم کارکن تھے۔

سید احمد شہید اور ان کے رفقاء مولوی اسمٰعیل شہید (ش ۱۸۳۱ء) اور مولوی عبد الحی (ف ۱۲۴۳ھ م ۱۸۲۸ء) نے روہیل کھنڈ کے مرکزی مقامات سہارنپور، مراد آباد، رام پور، بریلی اور شاہجہانپور کا دورہ کیا اور اس تحریک جہاد میں روہیل کھنڈ کے باشندوں نے خوب حصہ لیا۔

شاہ عبد العزیز کا انتقال ۱۲۳۹ھ م ۱۸۲۳ء میں ہوا انہوں نے اپنے تلامذہ اور مسترشدین کی ایک اچھی خاصی جماعت تیار کر دی جنہوں نے ہند پاکستان کے مختلف علاقوں میں اپنا مذہبی، اصلاحی اور سیاسی کام خانوادۂ ولی اللہی کے انداز پر جاری رکھا۔ دہلی کے مرکز کے صدر نشین شاہ صاحب کے حفید سعید اور تلمیذ رشید شاہ محمد اسحٰق (ف ۱۲۶۲ھ م ۱۸۴۵ء) ہوئے۔ حضرت شاہ اسحٰق صاحب نے بھی اپنے تلامذہ کی اچھی خاصی جماعت تیار کر دی جس نے مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی حالت کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی اور جنگ آزادی میں پورا پورا حصہ لیا۔ ان کے تلامذہ میں شاہ احمد سعید مجددی (ف ۱۲۷۷ھ م ۱۸۶۰ء) شاہ عبد الغنی مجددی (ف ۱۲۹۶ء

مطابق ۱۸۷۸ء مفتی صدر الدین آزردہ (ف ۱۲۸۵ھ م ۱۸۶۸ء مولوی عبدالجلیل سا کن کول دش ۱۲۷۴ھ م ۱۸۵۸ء) مفتی عنایت احمد صدرامین بریلی (ف ۱۲۷۹ھ م ۱۸۶۳ء مولوی عالم علی مراد آبادی (ف ۱۲۹۵ھ م ۱۸۷۸ء اور ملا محمد نظام شاہجہاں پوری (ف ۔ ۱۸۹ء) پاک و ہند کے وہ نامور علما ہیں جن کا جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں ایک خاص کردار اور حیثیت رہی ہے جس کے نتیجہ میں بعض حجاز چلے گئے کسی کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی اور بعض نے جام شہادت نوش فرمایا۔ شاہ عبدالغنی کے ساتھی حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی (ف ۱۳۱۷ھ م ۱۸۹۹ء) اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی (ف ۱۳۰۸ م ۱۸۹۰ء) اور ان کے شاگرد مولانا محمد قاسم نانوتوی (ف ۱۲۹۷ھ م ۱۸۷۹ء مولینا محمد مظہر نانوتوی (ف ۱۳۰۲ م ۱۸۸۵ء) مولوی منیر نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی (ف ۱۹۰۵ء) نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مغربی روہیل کھنڈ (سہارنپور و مظفر نگر) میں مورچہ سنبھالا اور انگریزوں کے دانت کھٹے کردیئے۔

۱۸۵۷ء کی تحریک حکومتِ انگریزی کے خلاف تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ غیر ملکی اقتدار کا خاتمہ کرکے دوبارہ مغلیہ تاجدار سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ کی حکومت کو استحکام بخشا جائے۔ انگریزوں نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کو بغاوت و غدر کا نام دے کر حقیقت پر پردہ ڈالا۔

انگریز مورخین نے کثیر تعداد میں انقلاب ۱۸۵۷ء پر کتابیں لکھیں اور ہماری جنگِ آزادی کو "غدر" اور "بغاوت" کا نام دیا، مگر پاک و ہند کے مصنفین نے اس موضوع پر قلم

اُٹھایا تو اُنہوں نے بھی سفید آقاؤں کا پورا پورا اتباع کیا، مجاہدین اور انقلابیوں کو غدار اور باغی ہی نہیں کہا بلکہ عام اخلاق کو بھی بالائے طاق رکھ کر سبّ و شتم کیا ؎

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب

زباں بگڑی سو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

اور یہ باور کرایا کہ چند مفسدوں اور کچھ باغی سپاہیوں نے ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ مچایا تھا اور انگریزی سرکار کے خلاف غدّاری کر کے ملک میں بدامنی پھیلائی تھی سو سال تک یہ غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈا کیا جاتا رہا یہاں تک کہ کالج اور اسکول کے طلبا بھی اس کو "غدر" اور "بغاوت" ہی سمجھنے لگے حالانکہ یہ ایک عوامی تحریک تھی اور خاص طور سے مسلمانوں نے غیر ملکی اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک منظّم اور باقاعدہ کوشش کی تھی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے جو تحریک شروع کی، شاہ عبدالعزیز نے جس کو پروان چڑھایا، سید احمد شہید اور اسمٰعیل شہید نے اپنی جانوں کی قربانیاں دے کر جس کو ہمہ گیر اور ملک گیر بنایا۔ اس تحریک کا یہ آخری سنبھالا تھا، مسلمانوں کی اس جنگ آزادی کو منظم کرنے والوں میں مولوی احمد اللہ شاہ، مولوی سرفراز علی، مولوی لیاقت علی جنرل بخت خاں، عظیم اللہ خاں اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ وہ زعما ہیں جن کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا، مولوی احمد اللہ شاہ نے خاص اسی مقصد کے لئے انگلستان اور یورپ کا سفر کیا تاکہ انگریزوں کے حالات اور معاملات سے پوری واقفیت ہو، برصغیر پاک و ہند کا ملک گیر دورہ کیا، لوگوں کو مرید بنا کر اور قوّالی و سماع کی مجالس کے ذریعہ نیز دوسرے ذرائع سے جہاد کی تبلیغ کی، جنگ شروع ہوتے ہی شمشیر بکف میدان میں آگئے اور وہ

دادِ شجاعت دی کہ انگریز بھی لوہا مان گئے، جنرل بخت خاں نے دہلی اور اودھ وغیرہ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ مسلمانوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ "جہاد" سمجھ کر لڑی جس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جہاد کا فتویٰ مُرتّب ہوا۔ جنگِ آزادی کا علم "محمدی جھنڈا" کہلاتا تھا، اس کا رنگ سبز تھا، سپاہیوں کا نعرۂ جنگ "دین دین" تھا، ساری مسلمان قوم کو اس جنگ کے نتیجے میں بڑی قربانیاں دینی پڑیں اور ان کو انسانیت سوز مظالم برداشت کرنے پڑے۔ پاک وہند کے عمائد واشراف پر جو گذری اس کا مختصر ترین نمونہ ملاحظہ ہو:۔

نواب عبدالرحمن خاں والیِ جھجر، نواب مظفر الدولہ، نواب میر خاں جاگیردار پلول، احمد مرزا، میر محمد حسین، حکیم عبدالحق دہلوی، قاضی فیض اللہ سررشتہ دار، میر پنجہ کش، مولوی امام بخش صہبائی، خلیفہ محمد اسمٰعیل خلف شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ اور میاں حسن عسکری صوفی جیسے باکمال گولیوں سے اُڑا دیئے گئے یا پھانسیوں پر چڑھائے گئے، یہ خاص دہلی کے حضرات ہیں۔

مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی مظہر کریم دریابادی، مولوی لیاقت علی الہ آبادی مولوی ایوب کیفیؔ مرادآبادی، شیخ فصاحت اللہ بدایونی۔ شیخ بولن سیوہاروی، مولوی سید احمد بریلوی، مفتی عنایت احمد کاکوروی وغیرہم کو حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔

نواب خان بہادر خاں (بریلی) مولانا کفایت علی کافیؔ (مرادآباد) مولوی تاج الدین عرف مولوی منّو (مرادآباد) مولوی رضی اللہ (بدایوں) نواب مجدالدین عرف مجّو خاں

(مرادآباد) نواب جلال الدین خاں (نجیب آباد) نواب سعداللہ خاں (نجیب آباد) پھانسی پر لٹکائے گئے یا گولی کا نشانہ بنے۔

عباس خاں (مرادآباد) مفتی صدرالدین آزردہ (دہلی) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ میر محمد حسین خاں (سہسوان) وغیرہ کی جائدادیں ضبط ہوئیں۔

جنرل بخت خاں، عظیم اللہ خاں، مولوی فیض احمد (بدایونی) ڈاکٹر وزیر خاں مولوی سرفراز علی وغیرہ قائدین تحریک کا پتہ نہ چلا کہ کہاں گئے اور کیا ہوئے۔ شہزادہ فیروز شاہ مولوی رحمت اللہ کیرانوی، حاجی امداد اللہ تھانوی، نواب تفضل حسین خاں، شاہ عبدالغنی مجددی، شاہ احمد سعید وغیرہ وطن عزیز چھوڑ کر حجاز پہونچے۔

یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ ساری مسلمان قوم کو بڑی قربانیاں دینی پڑیں اور انگریزوں نے دل کھول کر مسلمانوں پر مظالم کئے جس کا اندازہ لگانے کیلئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:-

"ستائیس ہزار اہل اسلام نے پھانسی پائی سات دن تک برابر قتل عام رہا بچوں تک کو مار ڈالا عورات سے جو سلوک کیا بیان سے باہر ہے۔ فوج باغی (مجاہدین) میں سے آٹھ ہزار مارے گئے"

(قیصر التواریخ جلد دوم ص ۴۵۴)

مسلمانوں کی بربادی پر غالب کے تاثرات ملاحظہ فرمائیے:-

"مبالغہ نہ جاننا، امیر غریب سب نکل گئے جو رہ گئے وہ نکالے جارہے ہیں

جاگیر دار، پنشن دار اور دولت مند اہلِ حرفہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حالات لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں ملازمان قلعہ پر شدت ہے باز پرس اور دار و گیر میں مبتلا ہیں، بڑے بڑے جاگیر دار بلائے ہوئے یا پکڑے ہوئے آتے ہیں، میری کیا حقیقت ہے غرض اپنے مکان میں بیٹھا ہوں دروازے سے باہر نہیں نکل سکتا، سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے، رہا یہ کہ کوئی میرے پاس آوے شہر میں کون ہے۔ گھر کے گھر بے چراغ پڑے ہیں جرنیلی بندوبست (مارشل لا) گیارہ مئی سے آج تک یعنی شنبہ پنجم دسمبر ۱۸۵۷ء تک بدستور ہے یہاں باہر سے اندر کوئی بغیر ٹکٹ کے آنے جانے نہیں پاتا۔ تم زنہار یہاں کا ارادہ نہ کرنا، ابھی دیکھا چاہیئے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں ؟

مرزا غالب پھر ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

یہاں بڑی شدت ہے اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے، لاہوری دروازہ کا تھانیدار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے جو باہر سے گورے کی آنکھ بچا کر آتا ہے اس کو پکڑ کر حوالات میں بھیجتا ہے، حاکم کے یہاں سے پانچ پانچ بید لگتے ہیں یا دو روپے جرمانہ لیا جاتا ہے آٹھ دن قید رہتا ہے۔ اس کے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کیجئے کہ کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے۔ تھانوں میں نقشے

مُرتّب ہونے لگے۔ کل سے یہ حکم نکلا ہے کہ یہ لوگ شہر سے باہر مکان و دوکان کیوں بناتے ہیں، جو مکان بن چکے ہیں انہیں ڈھادو اور آئندہ کی ممانعت کا حکم سُنادو اور یہ بھی مشہور ہے کہ پانچ ہزار ٹکٹ چھاپے ہیں جو مسلمان شہر میں اقامت چاہے بقدر مقدور نذرانہ دے، اس کا اندازہ قرار دینا حاکم کی رائے پر ہے۔ آج تک یہ صورت ہے دیکھئے، شہر کے بسنے کی کون صورت ہوتی ہے یا جو رہتے ہیں وہ بھی اخراج کئے جاتے ہیں۔"

غالبؔ کے ایک اور خط کا اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"میرے مہربان! یہاں شہر ڈھے رہا ہے، بڑے بڑے نامی بازار اُردو بازار اور خانم کا بازار کہ ہر ایک بجائے خود ایک قصبہ تھا اب پتہ نہیں کہ کہاں تھے۔ صاحبانِ مکنہ و دُکانیں نہیں بتا سکتے کہ ہمارا مکان کہاں تھا اور دوکان کہاں تھی برسات بھر مینہ نہیں برسا اب تیشہ اور کلند کی طغیانی سے مکان گر گئے۔ غلہ گراں ہے موت ارزاں ہے۔"

تحریکِ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی پر مسلمانوں کو قتل کیا گیا، توپوں سے اُڑایا گیا، پھانسیوں پر لٹکائے گئے۔ آگ میں جلادیا۔ آبادیوں کی آبادیاں صاف کردی گئیں، غرض بے پناہ مظالم توڑے گئے، صرف ایک کتاب "انقلاب ۱۸۵۷ء کا دوسرا رُخ" سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

لارڈ الفنسٹن، لارڈ لارنس کو لکھتا ہے:۔

"محاصرہ ختم ہو جانے کے بعد ہماری فوجوں نے جو مظالم کیے وہ یقیناً لرزہ خیز ہیں، ہمہ گیر پیمانہ پر بلا لحاظ دوست دشمن انتقام لیا جا رہا ہے' جہاں تک لوٹ مار کا تعلق ہے ہم نے نادر شاہ پر سبقت حاصل کر لی ہے:"

جنرل نیل کی تجاویز بھی سُنیئے:۔

"بعض دیہات کو ان کی مجرمانہ حرکات کی بنا پر عام تباہی کے لئے منتخب کر دیا گیا ہے، جہاں کی تمام مرد آبادی کو قتل کر دینا ہو گا فتحپور کی تمام آبادی کو محاصرہ میں لے کر قتل کر دیا جائے"۔

ان تجاویز پر کہاں تک عمل ہوا ڈیوڈ چیمبر لین لکھتا ہے:۔

"تئیس باغیوں کو تو صرف کرنل (Smith) کے حکم سے فوراً تہہ تیغ کر دیا گیا ان کے علاوہ بے شمار لوگ فوجی عدالت کے حکم سے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے، مارشل لا پانچ ماہ برابر نافذ رہا اور قریب دو سو اشخاص پر مقدمے چلائے گئے صرف ایک ماہ کی قلیل مدت میں ۱۴۸ آدمی چھوٹی ٹولیوں میں پھانسی پر لٹکائے گئے ان میں سے بعض کے سر قلم کر کے بانسوں پر آویزاں کیے گئے۔ بعض کی لاشیں زنجیروں میں جکڑی گئیں اور سر عام ان کی تشہیر کی گئی،

باقی مجرموں کے نہایت بے دردی سے کوڑے مارے گئے، تاآنکہ وہ جانبر نہ ہوسکے کوڑے دوسو سے لے کر ایک ہزار کی تعداد میں لگائے جاتے تھے"

ایک انگریز افسر مسٹر سومرے تھامسن کا بیان بھی کلیجہ تھام کر سن لیجئے:۔

"شام کے وقت ایک سکھ اردلی میرے خیمہ میں آیا اور سلام کر کے پوچھنے لگا غالباً آپ یہ دیکھنا پسند کریں گے کہ ہم نے قیدیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے، یہ خیال کرتے ہوئے کہ کہیں قیدیوں کے ساتھ زیادتی نہ کی گئی ہو میں خود لپک کر ان کے خیموں میں گیا جہاں پر میں نے ان بدبخت مسلمانوں کو عالم نزع میں بے حال دیکھا، بعض کی مشکیں باندھ کر برہنہ ان کو زمین پر لٹایا ہوا تھا اور سر سے لیکر پاؤں تک تمام جسم گرم تانبے سے داغ دیا تھا، اس روح فرسا منظر کو دیکھ کر میں نے اپنے پستول سے ان کا خاتمہ کر دینا ہی ان کے حق میں مناسب سمجھا۔"

یہ تو ہزاروں میں سے چند مثالیں ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے آزاد ہونے کے بعد بعض مورخین کی توجہ اس طرف خاص طور سے ہوئی اور چونکہ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی صد سالہ سال گرہ کا زمانہ بھی آ گیا تھا اس لئے عوام کی دلچسپی بھی اس مسئلہ میں بڑھنے لگی۔ ہندوستان کی حکومت نے اس کی اہمیت کا اندازہ کر لیا اور ۱۹۵۵ء میں ایک تجربہ کار مورخ ڈاکٹر سریندر ناتھ سین کو اس غرض سے انگلستان بھیجا گیا کہ وہ اس جنگ کے متعلق ماخذ یعنی اصل خط و کتابت

دستاویزات، رپورٹوں اور ہمعصر تصانیف کا بغور مطالعہ کریں اور پھر ایک مبسوط اور مدلّل کتاب تیار کریں، ڈاکٹر سریندر ناتھ سین نے یہ کتاب تیار کی اور دس مئی ۱۸۵۸ء کو حکومتِ ہندوستان کو پیش کر دی۔ ڈاکٹر سین کی کتاب حکومتِ ہند کی لکھوائی ہوئی ہے، اور اُسی نے اس کو طبع کرایا ہے، ظاہر ہے کہ اس کو مستند تاریخ نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ سرکاری کتاب میں کسی خاص نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھنا لازمی ہو جاتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر سین کی کتاب کا ایک اور پہلو بھی ہے جو بہت زیادہ اہم اور قابلِ غور ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک میں حب الوطنی، آزادی اور حریت کا جس قدر بھی جذبہ تھا اسکی قیادت مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی اور مسلمانوں کا اس میں کوئی خاص حصّہ نہ تھا۔

ہندوستان کی صوبائی حکومتوں نے بھی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے اصل کاغذات کو جن سنگھی نقطۂ نظر سے مرتّب کر کے شائع کرنا شروع کیا ہے۔ یو۔پی گورنمنٹ اس سلسلہ میں سات جلدیں اور بمبئی گورنمنٹ دو جلدیں اور آندھرا پردیش کی حکومت تین جلدیں شائع کر چکی ہے، ظاہر ہے کہ حکومت اور مرتبین کا نقطۂ نظر اکثریت کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کریگا اور اقلیت کے کارناموں کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔

پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کے انقلاب کو جنگِ آزادی کا تصوّر سب سے اوّل ساورکر نے "دی انڈین وار آف انڈی پنڈنس" (مطبوعہ لندن ۱۹۰۹ء) اور پنڈت سندر لعل نے "بھارت میں انگریزی راج" لکھ کر دیا جس کا اُنہیں انگریزوں کے ہاتھوں خمیازہ بھی بھگتنا پڑا

شمس العلماء خواجہ حسن نظامی نے "غدر کے افسانے" کے عنوان سے بارہ کتابوں کا ایک سلسلہ شروع کیا، ان کتابوں کا اندازِ بیان نہایت دلکش تھا ملک میں کافی مقبول ہوئیں مگر ان میں تاریخ سے زیادہ افسانہ کا رنگ غالب تھا۔ دہلی کے شہزادوں اور شہزادیوں کے حالات نہایت درد انگیز انداز میں بیان کئے گئے۔ بہر حال خواجہ صاحب نے احتیاط کے ساتھ بہت سی روایات اور مواد کو اردو میں منتقل کر دیا۔ جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اس سلسلے میں خاص طور سے قابل ذکر ہیں انہوں نے تحریک ۱۸۵۷ء کے متعلق بہت کچھ لکھا۔ مولانا فضلِ حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ) مفتی صدر الدین خاں آزردہ (ف ۱۲۸۵ھ م ۱۸۶۸ء) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ (ف ۱۸۶۹ء) اور مولوی احمد اللہ شاہ مدراسی (ف ۱۸۵۸ء) پر مفصل مقالے لکھ کر رسالہ "مصنف علی گڑھ" میں شائع کرائے اور "غدر کے چند علماء" "ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء" وغیرہ کتابیں مرتب کیں اور اس عنوان کو مقبول عام بنایا۔ اگرچہ مفتی صاحب کی یہ ابتدائی کوششیں تھیں۔ مگر اس موضوع پر اردو زبان میں لکھنے والوں میں انتظام اللہ شہابی "السابقون الاولون" کا درجہ رکھتے ہیں، محمد شفیع مرادآبادی، شیخ حسام الدین، شیخ امیر احمد کاکوروی، مولوی سید طفیل احمد منگلوری (ف ۱۹۴۶ء) مولوی محمد میاں، سیدہ انیس فاطمہ بریلوی، فتح چند نسیم اور عبد الشاہد خاں شروانی وغیرہ بھی وہ اہل قلم ہیں جنہوں نے تقسیم ہند سے قبل اس موضوع پر لکھا ہے۔

مئی ۱۹۵۷ء میں اس واقعہ کو پورے سو سال ہوئے اور پاک و ہند میں انقلاب ۱۸۵۷ء کی صد سالہ سال گرہ منانے کا پروگرام طے ہوا۔ ہر دو ممالک کے تمام اخبارات

اور رسالوں نے اس موقع پر خاص اور ضخیم نمبر شائع کئے، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے سہ ماہی رسالہ "العلم" کراچی کا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء نمبر مرتبہ سید الطاف علی بریلوی خصوصی اہمیت کا حامل رہا۔

مُصنّفین اور اہل قلم نے مضامین و مقالے، کتابچے اور ضخیم کتابیں لکھیں، اُردو میں مولانا غلام رسول مہر نے "سن ستاون ۱۸۵۷ء کے مجاہدین"، مفتی انتظام اللہ شہابی نے "مشاہیر جنگ آزادی" اور بہادر شاہ ظفر وغیرہ، خلیق احمد نظامی نے "۱۸۵۷ء کا ایک نادر روزنامچہ"، خورشید مصطفیٰ رضوی نے "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء"، محمد شفیع نے "۱۸۵۷ء سنہ ستاون"، لال نے "سنہ ستاون"، مولانا امداد صابری نے "غدر کے مجاہد شعرا" اور "غدر کے غدار شعرا"، ڈاکٹر نور الحسن نے "لکھنؤ اور جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء" مولانا محمد میاں نے "مجاہدینِ حرّیت ۱۸۵۷ء"، مولوی محمد سلیمان بدایونی نے "بدایوں ۱۸۵۷ء میں" اور عبد الرزاق قریشی نے "نوائے آزادی" اور راقم الحروف نے "مولانا فیض احمد بدایونی"، "مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی"، "مفتی عنایت احمد کاکوروی"، "مولوی حکیم سعید اللہ (ف ۱۹۰۷ء)" وغیرہ پر مختلف مقالے لکھے جناب ممتاز حسن صاحب۔ مولانا عبد المجید سالک مرحوم اور ڈاکٹر سید معین الحق صاحب نے بھی خوب خوب مضامین لکھے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی کام کا آغاز ہوا ہے اور اصل کام باقی ہے، تحریک ۱۸۵۷ء کا تمام تر مواد انڈیا آفس لائبریری، برٹش میوزیم، نیز لندن کے دوسرے عجائب گھروں اور کتب خانوں میں موجود ہے اور ضرورت ہے کہ رپورٹوں، مطبوعہ خطوط و غیر مطبوعہ ڈائریوں اور اصل کاغذات کی چھان بین کی جائے اسی طرح پاک و ہند کے کتب خانوں اور قدیم

خاندانوں میں بھی بعض ایسے نوادر محفوظ ہیں جن سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تحریک پر روشنی پڑتی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ مواد ایسی کتابوں اور نوشتوں میں محفوظ ہے جہاں ذہن کم رجوع ہوتا ہے شعرا کے دواوین، مثنویاں، انشا اور خطوط کے مجموعے عالموں کی بیاضیں، اوراد و وظائف کے کشکول، نیز سوانح عمریوں اور خود نوشت وقائع کو بھی غور سے دیکھنا چاہیئے، ملک کے علمی و تحقیقی اداروں اور یونیورسٹیوں (خصوصاً شعبہ ہائے تاریخ) کو فرض شناسی سے کام لینا چاہیئے اور انقلاب ۱۸۵۷ء پر ایک منصوبے کے تحت تحقیقی کام ہونا چاہیئے۔

یہاں ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ بعض ایسے حضرات بھی ہیں جنہوں نے اس زمانہ میں انقلاب ۱۸۵۷ء سے متعلق مقالے اور کتابیں لکھی ہیں مگر دوسروں کی تحقیقات کو بلا حوالہ اپنی کتابوں و مقالوں میں شامل کر لیا ہے اور اصل ماخذ کے حوالے اس طرح دیدیے گویا کہ یہ انکی ذاتی تحقیقات ہیں حالانکہ اصل ماخذ تک دسترس کا تو کیا ذکر انہوں نے اس سے قبل ان کتابوں کا نام بھی نہ سنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ رجحان نہایت ناپسندیدہ ہے۔

سید مصطفےٰ علی بریلوی جانے پہچانے اہل قلم ہیں، انکے مختلف مقالے "العلم کراچی" نیز دوسرے رسائل و جرائد میں شائع ہوکر قبولیتِ عام حاصل کر چکے ہیں۔ نواب خان بہادر خاں کا مقالہ سب سے اول، روہیل کھنڈ اخبار بریلی (اگست ۱۹۵۵ء) اور اسکے بعد العلم کراچی (اپریل ۱۹۵۷ء) میں شائع ہوا اور اب مزید اضافے کے ساتھ بعد نظرثالث کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے، مصطفےٰ علی صاحب نے اس کی تیاری میں بڑی محنت اور کاوش کی ہے اور نواب خان بہادر خاں کے متعلق جس قدر مواد مل سکتا تھا اس کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس کتاب کی تیاری اور اشاعت پر مرتب اور ناشر دونوں مبارکباد کے مستحق ہیں۔ فقط

کراچی۔ یکم مئی ۱۹۶۳ء۔ چہارشنبہ — محمد ایوب قادری

نواب خان بہادر خاں شہید

باب (۱)

ابتدائی حالات

نواب خان بہادر خاں شہید مشہور روہیلہ سردار حافظ الملک حافظ رحمت خاں شہید کے پوتے اور گورنر بریلی نواب ذوالفقار خاں کے فرزند تھے، جنگ آزادی میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لینے کی وجہ سے ان کی ہر بات جرم قرار پا گئی اور آج ہم شدید تلاش و جستجو کے باوجود نواب شہید کے ابتدائی حالات سے تقریباً بے خبر ہیں۔ تاہم جو تھوڑی بہت معلومات ہم دست ہوئی ہیں اُس کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ جنگِ آزادی کے مجاہد ہونے کے علاوہ نواب خان بہادر اعلیٰ درجہ کے نثر نگار، شاعر، قانون داں اور مجلسی شخصیت کے مالک تھے۔ افسوس ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں دیوان تلف ہو گیا۔ کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ مولانا حسرت موہانی کے ذخیرۂ کُتب لکھنؤ یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔ اس امر کی تصدیق تا حال نہیں ہو سکی ہے۔ ڈاکٹر لطیف حسین ادیب اس ضمن میں سعی و کوشش کر رہے ہیں صرف دو غزلیں "حیات حافظ رحمت خاں" کے توسط سے مل سکی ہیں۔

قبل از جنگ آزادی بریلی روہیل کھنڈ میں اچھے پڑھے لکھے لوگوں کا مرکز تھا۔ راجہ

کندن لال اشکؔ الٰہی نے بریلی کے جن اساتذہ کرام سے استفادہ کیا اُن کے نام حسب ذیل ہیں :-

شیخ عبدالمالک ممتازؔ — پرکاش داس لطفیؔ

راجہ رتن سنگھ زخمیؔ — مولوی غلام حضرت عشقیؔ

مولوی بُرہان الدین نزہتؔ — میر غلام علی عشرتؔ [1]

مرزا امان بیگ فریادؔ — سعادت یار خاں رنگینؔ

امین الدولہ آزادؔ — عبدالجلیل سائلؔ

مولوی نظیر الدین حسن — منشی بدیع الدین محوؔ

قاضی محمد سعید الدین خان بہادر — نواب حافظ یار خاں ۔

نواب شاہ عالم خاں — عبدالصمد قیصرؔ

تلوک چند شیداؔ — گنگا پرشاد رندؔ

قاضی نور الحق منعمؔ — مولوی عبدالرزّاق یمنیؔ

نواب خان بہادر خاں معروفؔ [2]

---

[1] محلہ گڑھیا بریلی کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام میر معظم علی تھا۔ آپ کا سادات مشہد شریف سے تعلق تھا نواب فیض اللہ خاں والیِ رامپور کے صاحبزادہ نواب محمد عثمان خاں کی سرکار میں ملازم تھے۔ مصحفی لکھتے ہیں :-

جوان کثیر الکلام است دیوان ،

مثنوی ہائے مسودہ دارد

بحوالہ مقالہ میر غلام علی عشرتؔ ۔ بحوالہ ڈاکٹر لطیف حسین قومی زبان بابت مئی ۱۹۶۵ء)

[2] راجہ کندن لعل اشکؔ الٰہی از مقالات شروانی صفحہ ۱۲۶ از مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی نواب صدر یار جنگ مرحوم

۱۸۵۷ء کے قریبی زمانے میں اردو و فارسی شعرا کے جو تذکرے مرتب ہوئے ان میں سے کئی ایک میں نواب خان بہادر کو بہ حیثیت شاعر پیش کیا گیا ہے۔ چند تذکروں اور تذکرہ نگاروں کے نام حسب ذیل ہیں :-

شمیم سخن مرتبہ عبدالحیٔ صفا بدایونی

سراپا سخن مرتبہ سید محسن علی محسن لکھنوی تلمیذ خواجہ وزیر لکھنوی،

تاریخ ادب ہندوستانی از گارساں دتاسی (فرانسیسی) اردو ترجمہ تین جلدوں میں فرانسیسی خاتون لیلیان نذرو نے کیا ہے۔ یہ خاتون چند سال قبل پاکستان تشریف لائی تھیں اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ اس کتاب میں بھی فہرست شائع شدہ ماہنامہ نگار کراچی کے مطابق ۲۲۱۹ء پر نواب خان بہادر کا تذکرہ ہے گو کہ تخلص میں غلطی ہو گئی ہے۔ اور یہ غلطی اکثر مصنفین سے سرزد ہوئی ہے کیونکہ الٰہی بخش خاں معروف اور مصروف کے تخلص لکھتے وقت کاتبوں سے سہو ہو جانے کا امکان بعید از قیاس نہیں ہو سکتا۔ ایک اور تذکرہ[۱] بنام سخن شعراء مرتبہ عبدالغفور نساخ میں بھی خان بہادر کا ذکر ہے۔

قاری بشیرالدین پنڈت بدایونی مستحق مبارکباد ہیں جن کے ذریعہ نواب خان بہادر کی مشہور کتاب "مقاصد الصالحین" منصۂ شہود پر آئی۔ نواب شہید انگریزی عدالت میں سب جج تھے۔ اس زمانے میں عدالتی آسامیوں کے پُر کرنے کے واسطے

---

[۱] تذکروں کا تذکرہ نمبر نگار سالنامہ ۱۹۶۴ء ص ۳۰۱

نواب صاحب صدر امینی کا کام انجام دے رہے تھے کہ ناگہاں اُن سے امتحان دینے کو کہا گیا۔ جواباً نواب صاحب نے صاف انکار کر دیا تاہم وہ بغیر کسی امتحان کے صدر امین مقرر کئے گئے[۱]۔ نواب خان بہادر خاں نے بہت جلد اپنی قابلیت، محنت اور دیانت کا سکّہ منوا لیا۔ انکو سرکار انگریزی سے ۲۵۰ دو سو پچاس روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ خاندانی پنشن سو روپیہ ماہوار اور کچھ معافیات کی بھی آمدنی تھی۔

گلزاری لعل کائستھ ساکن قصبہ جلیسر یو۔ پی ۱۸۴۷ء میں سرکاری گزیٹر کا مواد جمع کرنے کے کام پر مسٹر فلیٹ ڈوِس کلکٹر و مجسٹریٹ کے حکم پہ مقرر ہوئے تھے۔ انہوں نے نواب صاحب کو برگزیدۂ خاندان تحریر کیا ہے[۲]۔

سید الطاف علی بریلوی کے خاندانی کاغذات میں نواب خان بہادر خاں کا ایک فیصلہ عدالت ۱۸۳۹ء بھی برآمد ہوا ہے جس کا عکس و ترجمہ رسالہ العلم کراچی کے آزادی نمبر ۱۸۵۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مولوی عبدالحی فنا بدایونی نے خان بہادر خان کے خط کی بھید

---

[۱] حضرت مولوی رحمت اللہ رح فرماتے تھے کہ

قبل از غدر نواب خان بہادر خاں مغفور صدر امین بریلی تھے اور مولوی صاحب (مولوی نظام الدین بریلوی وابستگان درگاہ شاہ نیاز احمد رح موصوف انکے یہاں سررشتہ دار تھے نواب صاحب کے امتحان بوجہ اعزاز صدر امین مقرر ہوئے اُن کی نسبت امتحان دینے کا حکم صدر دیوانی آگرہ سے صادر ہوا۔ نواب صاحب نے اس کو منظور نہیں کیا اور عہدۂ صدر امینی سے استعفا دیدیا۔ گورنمنٹ نے نواب صاحب کو امتحان سے مستثنیٰ کر دیا۔ ص ۱۶۵ کرامات نظامیہ از مولینا محمد فائق۔ مطبع نامی دہلی ۱۹۱۶ء

[۲] تواریخ بریلی قلمی از گلزاری لعل مملوکہ حکومت پاکستان نیشنل آرکائیوز کراچی :تاریخ تحریر کتاب از مصنف حسب ذیل ہے:۔ جو کی تعمیل حکم حاکم دہر [illegible] کہی ہاتف نے یوں تاریخ اسکی نئے وفق تاریخ بریلی ۱۸۴۷ء

[۳] تاریخ جنگ آزادی از معین ۳۴۷

تعریف اپنی کتاب شمیم سخن تذکرہ شعرائے اردو میں کی ہے۔

نواب خان بہادر خاں کے والد کا نام نواب ذوالفقار خاں تھا۔ ان کو نوہزار نو سو بائیس روپے سالانہ، پانچ روپے یومیہ، دو گاؤں نیز کچھ متفرق آراضیات معافی میں ملی تھیں، نواب خان بہادر خاں شہید کے نو بھائی اور چند بہنیں تھیں۔

نواب صاحب ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۱ء میں پیدا ہوئے تھے[۱]

۱۷۷۴ء میں جب حافظ الملک حافظ رحمت خاں شہید ہوئے تو کچھ روز نواب ذوالفقار خاں کو بھی دیگر افراد خاندان کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں اٹھانا پڑیں۔ باقی اہل خاندان تو قلعۂ الہ آباد میں نظر بند کر دیئے گئے لیکن نواب ذوالفقار خاں معہ اپنے بھائی نواب محبت خاں محبتؔ لشکر نواب شجاع الدولہ میں ایک معزز قیدی کی حیثیت سے نظر بند کر دیئے گئے۔ اس مصیبتِ عظیم سے نجات پانے کے بعد انہوں نے ساری عمر عبادت و ریاضت میں گذار دی۔

---

[۱] حواشی تاریخ سرکشی بجنور از ڈاکٹر معین الحق۔

باب (۲)

سیاسی پس منظر

روہیل کھنڈ کی جد و جہد آزادی اور نواب خان بہادر خاں کے کردار کو سمجھنے کے واسطے ہم کو حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی شہادت سے لے کر ۱۸۵۷ء تک کے سیاسی اور معاشرتی حالات کا مختصر جائزہ لینا ضروری ہے۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں اپنی شرافت و نجابت نیز دلیری کے لحاظ سے بڑی قابل رشک حیثیت کے مالک تھے۔ اُن کے بدترین مخالف بھی اُن کی عزت کرتے تھے۔ چنانچہ نواب صفدر جنگ والیِ اودھ کا قول تھا کہ

> "میں نے ولایتِ افغان کے لوگوں میں سے کبھی کوئی شخص
> اس لیاقت و فہمید کا نہیں دیکھا۔"[1]

---

[1] حیات حافظ رحمت خاں مولفہ سید الطاف علی بریلوی ص

۱۷۴۹ء میں نواب قائم خاں بنگش والیِ فرخ آباد نے اپنی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے بغیر سوچے سمجھے روہیل کھنڈ پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں نواب قائم خاں بنگش مارے گئے۔ حافظ صاحب کے واسطے اس وقت بہت آسان تھا کہ ریاست فرخ آباد پر قبضہ کر کے لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے لیکن فاتحینِ عالم کی عام روش سے ہٹ کر انہوں نے نواب قائم خاں کی لاش کو بعد عزت و احترام فرخ آباد روانہ کرنے کے علاوہ گنگا پار کا کُل علاقہ مرحوم کی والدہ کے نام واگذاشت کر دیا۔

حافظ رحمت خاں کا احترام ہندوستان کے ہر طبقہ میں یکساں کیا جاتا تھا۔ احمد شاہ دُرّانی بھی اُن کی شخصیت سے متاثر تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے حافظ صاحب کو بیٹھنے کی اجازت دیدی تھی۔[1]

انگریزوں اور نواب اودھ کی سازشس

ایسے ٹکسالی شریف اور بہادر شخص کے مقابلہ میں انگریزوں اور نواب اودھ شجاع الدولہ میں خفیہ سازش ہوئی۔ یہ نواب وہی ہیں جن کو حافظ صاحب نے اس وقت پناہ دی تھی جب وہ انگریزوں سے شکست کھا کر بھاگے تھے اور اُن کو دُنیا تاریک نظر آ رہی تھی۔

---

[1] تفصیلات کے واسطے دیکھو حیات حافظ رحمت خاں ص۲۶۴ تاریخ نوابان بنگش از ولیم ارون عہد بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ از مفتی ولی اللہ مرتبہ محمد ایوب قادری۔ تاریخ لوح قلمی از منور علی مملوکہ سید الطاف علی بریلوی۔

"وزیر اودھ اُس وقت کو بھول گیا جبکہ بکسر کی شکست کے بعد رحمت خاں کے ہم وطنوں نے اسے پناہ دی تھی"۔[1]

"اس ہسٹنگز نے ایک سرسبز و شاداب خطے اور معقول حکومت بے گناہ فرمان روا پر بلا وجہ اقدامی جنگ کی"۔[1]

"روہیلوں پر حملہ کرنا ہی اصولی غلطی تھی کیونکہ انہوں نے ہمیں کبھی کسی قسم کا اشتعال نہیں دلایا تھا"۔[2]

روہیلوں کی تباہی

۲۲ را پریل ۱۷۷۴ء بمقام کٹرہ میراں پور ضلع شاہجہان پور۔ حافظ رحمت خاں شہید ہوئے۔ اُن کی شہادت کے بعد روہیلہ قوم پر جو ظلم و ستم ٹوٹا اس کی نظیر تاریخ میں بمشکل ملتی ہے۔ ذیل میں ہم چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

"اس زمانہ کے ایک نامہ نگار نے نہایت سنجیدگی سے بیان کیا ہے کہ روہیلوں کے ۵ لاکھ خاندان جمنا پار بھگا دیئے گئے اور روہیل کھنڈ کا خطہ ایک غیر آباد صحرا بن گیا"۔[3]

روہیلوں کو نہایت قساوت اور بے رحمی کے ساتھ پامال کر دیا۔ ہزاروں علماؤ

---

[1] روِلرز آف انڈیا از مسٹر ایل۔ جے۔ ٹراٹر مترجمہ ابن حسن صاحب ص۵۳

[2] " " " " " " " ص۵۵

[3] " " " " " " " ص۵۹

فضلا، اور گوشہ نشینوں کی جاگیریں اور ملکیں ضبط کر کے، نانِ شبینہ کو محتاج کر دیا اور اُن میں سے ہزاروں پر سخت مظالم کرنے کے بعد بھی اُنہیں قید کیا اُن کی عبادت گاہوں کو خراب و برباد کر دیا۔ اُن کی عورتوں کی عزت و آبرو کو خاک میں ملایا۔ اُن کے گاؤں کو آگ لگوا دی۔ بچوں کو ماؤں کی چھاتیوں پر قتل کرایا۔"

"وہ (ہسٹنگز) ہاتھ پر ہاتھ دھرے بے پروائی کے ساتھ یہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ روہیلوں کے گاؤں کو جلایا جا رہا ہے! اُن کے بچوں کو ذبح کیا جا رہا ہے۔"

یہ سب ظلم و ستم اس قوم کے ساتھ روا رکھا گیا جو بقول سر جادو ناتھ سرکار:۔

"کسانوں اور تاجروں کی حفاظت کرتی تھی۔"

روہیلوں کے متعلق لارڈ میکالے کا قول تو بہت مشہور ہے:۔

"روہیلے جنگ میں شجاعت کا بہترین نمونہ اور امن کے زمانے میں بہترین منتظم تھے۔"

روہیلوں کا ردِ عمل دُنیا میں ہر ظلم کا ردِّ عمل ضرور ہوتا ہے چنانچہ ۱۷۷۴ء سے لے کر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تک وہ کونسا ہنگامہ تھا جس میں روہیلوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیا۔ مسٹر ڈبلو۔ ڈبلو۔ ہنٹر لکھتے ہیں:۔

لہ تاریخ اودھ از نجم الغنی خاں

لہ وارن ہسٹنگز اور انگریزی راج صفحہ ۱۴۴

"جن روہیلوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کیلئے ہم نے محض دولت کے لالچ میں اپنی فوجیں عاریتاً دوسرے کو دیدی تھیں اور جن کی افسوسناک تاریخ وارن ہسٹنگز کی زندگی میں نہ مٹنے والا بدنما داغ ہے۔ اُن کی اولاد گزشتہ صدی سے متواتر اس کا انتقام لیتی چلی آرہی ہے۔ اس وقت بھی سرحد کے باغی کیمپ کو اس کے بہترین شمشیرزن مہیا کر رہی ہے۔ روہیلوں کے معاملہ میں بھی اور ہندوستان میں جہاں بھی ہم نے مظالم کئے ہیں ہم نے جیسا بویا تھا ویسا ہی کاٹا ہے"

انگریزوں کی پالیسی ہندوستان میں انگریزوں کی ہمیشہ سے یہ پالیسی رہی کہ مسلمانوں کی سیاسی اہمیت آہستہ آہستہ ختم کردی جائے۔

۱۷۷۴ء میں حافظ رحمت خاں کی شہادت[1]۔ ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کی شہادت[2]۔ ۱۸۱۱ء میں نواب امیر خاں[3] کی شکست اور آخر میں خود ریاست اودھ کا

---

[1] تفصیلات کیلئے دیکھئے حیات حافظ رحمت خاں مولفہ سید الطاف علی بریلوی

[2] سلطنت خداداد از محمود خاں محمود

[3] نواب امیر خاں از مولوی اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔ افتخار التواریخ از لالہ دیبی پرشاد۔ نواب امیر خاں اپنے وقت کے بڑے بہادر، نڈر اور دلیر انسان تھے۔ انہوں نے مرہٹہ طریقۂ جنگ میں اتنی مہارت حاصل کرلی تھی کہ خود مرہٹے اُن کا لوہا مانتے تھے۔ راجپوت جیسی بہادر قوم امیر خاں کی سرداری سے خائف رہتی تھی۔ کامل دس سال تک انگریزوں نے بھی نواب کے خلاف ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کی حضرت سید احمد شہید اور

(باقی اگلے صفحہ پر)

سقوطِ (۱۸۵۶) ایسے قومی حادثات ہیں جنہوں نے ملکی سیاست کا رُخ ہی پلٹ دیا اور تقریباً کُل ملک انگریزوں کے رحم وکرم کا محتاج ہوکر رہ گیا۔ اگر انگریز سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد انصاف و رواداری کے ساتھ حکومت کرتے تو ممکن تھا کہ ۱۸۵۷ء کا زبردست جہاد کافی عرصہ کے واسطے ٹل جاتا لیکن حکومت کے نشہ میں انسان سب کچھ بھول جاتا ہے اور عدل وانصاف اور حق وصداقت کا خون کرنا اپنے لئے مباح سمجھنے لگتا ہے۔ برطانوی سامراج کی ناانصافیوں اور خون آشامیوں کی داستان بہت طویل اور دردناک ہے۔ مختصراً چند اقتباسات مُلاحظہ ہوں:۔

"ہم نے مسلمان شہنشاہ سے بنگال کی دیوانی اس شرط پر لی تھی کہ ہم اسلامی نظام کو برقرار رکھیں گے لیکن جونہی ہم نے اپنے آپ کو طاقتور پایا اس وعدہ کو فراموش کردیا"

"ہم نے اُن (مسلمانوں) پر ہمہ قسم کی باعزت زندگی کا دروازہ بند کردیا ہے"

(سلسلہ صفحہ گزشتہ) نواب میر خاں میں دوستی تھی۔ آخر میں باہمی آویزشوں کے نتیجہ میں انگریزوں کو فوقیت حاصل ہوگئی اور ۱۸۱۷ء میں ریاست ٹونک قائم ہوئی۔ ۱۹۴۸ء میں ۱۲۱ سال کے بعد یہ ریاست ختم ہوگئی۔ اس ریاست کی بعض خصوصیات قابل الذکر ہیں۔ مثلاً سادہ معاشرت، زندہ دلی دینی رجحان۔ خصوصاً علوم دینیہ کے حصول و طلب کا جذبہ!

دیکھو مقالہ کتب خانہ وزیر الدولہ از حکیم محمود احمد برکاتی۔ رسالہ بصائر ص ۹۴ جولائی ۱۹۶۲ء

لہ ہمارے ہندوستانی مسلمان از ڈبلو۔ ڈبلو ہنٹر۔

"ہم نے ایک ایسا طریقۂ تعلیم رائج کر دیا ہے جس سے اُن کی قوم بہرہ ور نہیں ہو سکتی اور جو اُن کی ذلّت اور خواری کا سبب بن گیا ہے۔"

"ہم نے مسلمانوں کے مذہبی اوقاف میں بددیانتی سے کام لیتے ہوئے اُن کے سب سے بڑے تعلیمی سرمایہ کا غلط استعمال کیا۔" (ہنگلی فنڈ)[1]

مندرجہ بالا قابلِ نفرت حرکتوں کے نتیجہ میں مسلمانوں کو من حیث المجموع انگریزوں سے سخت نفرت ہوگئی۔

"ہندوستان میں اس بات کو دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے کہ اس ملک کے بہترین آدمی ابھی ہمارے طرفدار نہیں ہیں۔ وہ اب تک متواتر ہماری مخالفت کرتے چلے آرہے ہیں۔"

(ہنٹر)[2]

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کا فتوےٰ

عین اسی زمانہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کا حسب ذیل فتویٰ صادر ہوا جس نے پورے ملک میں آگ لگا دی:۔

---

[1] ہمارے ہندوستانی مسلمان از ڈبلو۔ ڈبلو ہنٹر

[2] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات مرتبہ پروفیسر خلیق نظامی

"عیسائیوں کی پوری سلطنت کلکتہ سے لے کر دہلی اور ہندوستان خاص سے مُلحقہ ممالک (یعنی شمالی مغربی صوبہ) سب کی سب دار الحرب ہے کیونکہ کفر اور شرک ہر جگہ رواج پا چکا ہے اور ہمارے شرعی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی جس ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں وہ دار الحرب ہے"!

حضرت شاہ عبد العزیز کے خانوادہ اور روہیلوں کا بہت قریبی تعلق تھا۔ اس ضمن میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات سے خاصی روشنی پڑتی ہے چند اقتباس ملاحظہ ہوں:۔

بنام نواب نجیب الدولہ

"اب مُلک و قوم کی اصلاح و ترقی تمھارے ہاتھ میں ہے اس سے پریشان نہ ہونا اور گو دُشمنوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن انشاء اللہ تمہیں کوئی گزند نہ پہونچے گا"۔

"اُن روہیلوں کی تنظیم اور قومی خصوصیات بڑی زبردست ہیں اور اُن میں وہ خرابیاں نہیں پائی جاتیں جو شاہی فوج اور اس کے افسروں میں نظر آتی ہیں"۔

لہ سر سید احمد خاں کا بیان ہے کہ انگریزوں کے مظالم کی وجہ سے لوگ اس قدر نادار ہو چکے تھے کہ صرف ڈیڑھ آنے یومیہ پر فوج میں ملازمت پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ (رسالہ اسباب بغاوت ہند صفحہ ۳۶)

علمائے وقت کی توجہ اور روہیلوں کی گہری مذہبیت کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف ایک مضبوط محاذ قائم ہوگیا اور یہ لاوا مختلف شکلوں میں پھوٹتا رہا۔ مثلاً

۱۔ ۱۷۹۴ء میں جنگ دوجوڑہ۔

۲۔ ۱۸۱۶ء کی مفتی گردی۔

۳۔ حضرت سید احمد شہید کا جہاد۔

۴۔ نواب امیر خاں کی قیادت میں مسلسل گوریلا جنگ اور

۵۔ آخر میں ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی [1]

مندرجہ بالا مقابلے خواہ کسی سبب سے ہوئے ہوں لیکن مجموعی طور پر روہیلوں کی انگریز دشمنی ہی کو ان سب قضیوں کا بنیادی سبب قرار دیا جاتا ہے مثال کے طور پر ہم جنگ دوجوڑہ کے واقعات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ خالص جاگیردارانہ مفاد کے تحت لڑی گئی تھی لیکن عام روہیلوں کے جوش و خروش کی وجہ سے قومی جنگ بن گئی۔

مولوی نجم الغنی خاں رام پوری نے روہیلہ جانبازوں کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

"نواب صاحب (نواب غلام محمد خاں ابن نواب فیض اللہ خاں) کے ہمراہ اُن کے بھائی بھی تھے اور اُن کی فوج کے پٹھانوں کا جوش

---

[1] تفصیل کے واسطے دیکھو حیات حافظ رحمت خاں، ہمارے ہندوستانی مسلمان از ہنٹر، سیرت سید احمد شہید از غلام رسول مہر و مولانا ابوالحسن علی ندوی، فتخار التواریخ تاریخ ٹونک از لالہ دیبی پرشاد۔

خروش بڑھا ہوا تھا۔ جب کڑکیت بولتے تو ہر ایک اینٹھتا اور سوار گھوڑا کو داتا۔ پٹے باز پٹیلتی دکھاتا اور پھکیتی ظاہر کرتا تھا۔ کوئی نیزہ تولتا تھا۔ بہت سے سپاہی زرہ بکتر سے آراستہ تھے اور بعض کے پاس چلتے تھے۔ سیکڑوں سپاہی راستے میں تنبل بجاتے اور چھار بیت گاتے جاتے تھے۔ کوئی ننگی تلوار لے کر گھماتا کوئی جنگ کی ترنگ میں نعرہ لگاتا۔[1]

مفتی گردی

۱۸۱۶ء میں ہاؤس ٹیکس کے معمولی قضیہ پر ایک دفعہ پھر انگریزوں اور روہیلوں میں بھرپور زور آزمائی ہوئی۔ ہاؤس ٹیکس کے خلاف معمولی سا عوامی احتجاج انگریزوں کی طبع نازک پر گراں گذرا اور انہوں نے مسلح قوت کا مظاہرہ کیا۔ منشی محمد عیوض خاں (مفتی شہر) کی قیادت میں سبز ہلالی پرچم حسین باغ میں لہرایا گیا۔ یہ باغ آج بھی جانب غرب بریلی میں موجود ہے۔ اس اجمال کی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے:۔

"آناً فاناً بکثرت ہتھیار بند مسلمان اُن کے گرد اکٹھے ہو گئے اور دو روز کے قلیل عرصہ میں پیلی بھیت رام پور اور شاہجہانپور سے ہزاروں آدمی آن کر مل گئے۔"

انگریزوں کے مقابلہ میں پہلی مرتبہ مجاہدین کو فتح حاصل ہوئی لیکن دوسری مرتبہ مجاہدین انگریزی فوج کے مقابلہ میں نہ ٹھیر سکے شاہ دانا ولی کا گنج شہیداں اُسی معرکہ کی یادگار ہے

---

[1] اخبار الصنادید صفحہ ۶۳۵ ۔ حیات حافظ رحمت خاں صفحہ ۳۶۱ ۔ بحوالہ تاریخ روہیل کھنڈ از نیاز احمد خاں ہوش مطبوعہ بریلی ۱۸۶۷ء۔ اس نایاب کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ خاص انجمن ترقی اردو کراچی میں محفوظ ہے۔

اور پرانے شہر بریلی میں آج بھی موجود ہے۔ اس معرکہ میں تقریباً دو ہزار آدمی طرفین کے کام آئے۔ ؎۱

مفتی عنایت احمد صاحب کے متعلق محمد ایوب قادری کا ایک تفصیلی مقالہ جنگ کراچی ۱۲ مئی ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کا اقتباس حسب ذیل ہے :۔

"مفتی عنایت احمد بن منشی محمد بخش بن منشی غلام محمد بن منشی لطف اللہ قریشی النسب تھے، ان کے اجداد میں امیر حسام الدین نامی ایک شخص بغداد سے آکر قصبہ دیوہ ضلع بارہ بنکی میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور اپنے صاحبزادے ضیاء الدین کی شادی وہیں کی۔ وہیں کے قاضی مقرر ہوئے قصبۂ دیوہ میں جس محلہ میں امیر حسام نے قیام کیا وہ حجازی محلہ مشہور ہوا اور کثرت استعمال سے حجاجی محلہ کہلانے لگا اور امیر حسام الدین کی اولاد حجاجی

؎۱ مفتی محمد عوض خاں پر محمد ایوب قادری صاحب کا ایک تفصیلی مقالہ العلم کراچی اپریل ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا ہے۔

مفتی محمد عوض خاں کا بدایوں کے مشہور عثمانی خاندان سے تعلق تھا۔ آپ کے والد مفتی محمد درویش حافظ الملک کے عہد میں مفتی شہر بریلی مقرر ہوئے۔ والد کے انتقال پر ۱۱۸۳ھ میں بریلی کے مفتی شرع مقرر ہوئے درس و تدریس میں بے حد انہماک رکھتے تھے۔ بے حد حسین و جمیل تھے۔ حافظ صاحب کی شہادت کے بعد بھی روہیل کھنڈ میں قیام پذیر رہے۔ نواب امیر خاں والی ٹونک سے بھی تعلقات تھے چنانچہ مصنف افہام التواریخ نے صفحہ ۲۱۹ پر لکھا ہے:۔ بریلی کا مفتی (محمد عوض خانی) انکی جان پہچان کا تھا اس کو لکھ بھیجا کہ تم ضیافت کا سامان تیار کر رکھنا ہم آتے ہیں۔" انگریزی تسلط کے بعد ریاست رامپور چلے گئے تھے لیکن نواب احمد علی خاں چونکہ بجیہ انگریز پرست تھے اس لئے مجبوراً ریاست ٹونک پہنچے نواب میر خاں زندہ تھے بڑی اچھی طرح پیش آئے اور استقبال کیا اور ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی کہ پیغام موت آپہونچا غالباً وفات ۱۸۱۰ء میں ہوئی صحیح تاریخ کا علم نہیں۔

کہلائی۔ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ خاندان حجّاج بن یوسف ثقفی حاکم عراق کی اولاد سے ہے یہ بات غلط ہے۔

مفتی عنایت حسین صاحب کے دادا منشی غلام محمد کی سسرال کاکوری میں تھی۔ اسی لئے مفتی صاحب کے والد منشی محمد بخش اور چچا شیخ عبدالجیب نے ننہالی تعلق کی وجہ سے کاکوری ہی میں سکونت اختیار کرلی۔ ان کے قیام کی وجہ سے ان کے تمام قریبی اعزا کاکوری آکر سکونت پذیر ہوگئے اور کاکوردی کہلانے لگے۔ اب بھی وہاں ان کا بڑا خاندان سکونت پذیر ہے۔

مفتی عنایت احمد ۹ر شوال ۱۲۲۸ھ کو بمقام دیوہ پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کاکوری میں حاصل کی۔ بعد کو تحصیل علم کی غرض سے رام پور گئے وہاں مولوی سید محمد صاحب بریلوی سے صرف ونحو مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی اور مولوی نورالاسلام صاحب سے دوسری درسی کتابیں پڑھیں۔ رام پور میں درسی کتابیں ختم کرکے دہلی پہونچے وہاں کتب حدیث سبقاً سبقاً پڑھیں اور سند حاصل کی۔ دہلی سے علی گڑھ آئے جہاں مولانا بزرگ علی مارہروی

(شاگرد شاہ عبدالعزیز دہلوی و شاہ رفیع الدین دہلوی) جامع مسجد کے مدرسہ میں دینی خدمات انجام دے رہے تھے یہ مدرسہ عہد محمد شاہی میں بانیٔ مسجد نواب ثابت خاں نے قائم کیا تھا. علی گڑھ میں مفتی عنایت احمد صاحب نے علوم منقول و معقول کی تمام کتابیں مولانا بزرگ علی سے پڑھیں اور فارغ التحصیل ہوئے. ۱۲۶۲ھ میں مولوی بزرگ علی صاحب مارہروی کے انتقال کے بعد اسی مدرسہ میں مُدرّس مقرر ہو گئے۔

ایک سال تک مدرسہ جامع مسجد علی گڑھ میں مُدرّس رہے اس کے بعد مفتی و منصف کے عہدہ پر علی گڑھ ہی میں تقرر ہو گیا اسی زمانہ میں مولوی لطف اللہ صاحب علی گڈھی (المتوفی ۱۳۳۴ھ) کے تلمذ کا سلسلہ شروع ہوا جو کہ مفتی صاحب کے نامور شاگرد گزرے ہیں۔ مولوی سید حسین شاہ صاحب بخاری نے بھی اسی زمانہ میں پڑھا۔

مولوی سید حسین شاہ بخاری کا بیان ہے کہ مفتی صاحب مجھ کو ہدایہ اجلاس پر پڑھاتے. جب دوران مقدمہ فرصت ملتی اشارہ ہوتا میں پڑھنا شروع کر دیتا. اسی اثنا میں پھر کام میں مصروف ہو جاتے باوجود اس کے ایسا پڑھایا کہ ساری عمر اس کی یاد رہی. طلبا سے

خاص تعلق رکھتے تھے۔ مولوی لطف اللہ صاحب کی تعلیم کے زمانہ ہی میں مفتی صاحب کا تبادلہ علی گڑھ سے بریلی ہوگیا۔ مولوی لطف اللہ صاحب بریلی ساتھ گئے۔ وہاں جملہ کتب درسیہ ختم کیں صبح کی نماز کے بعد مفتی عنایت احمد صاحب تلاوت فرماتے تھے مولوی لطف اللہ صاحب خدمت میں حاضر رہتے۔ دوران تلاوت اگر کوئی مشکل صیغہ آتا تو مفتی صاحب ان کی طرف دیکھتے یہ حل کرتے۔ حل نہ کرسکتے تو بعد تلاوت خود حل کرکے بتاتے۔ مفتی عنایت احمد صاحب نے بعد فراغ مولوی لطف اللہ کو اپنے ہی اجلاس کا سررشتہ دار مقرر کرلیا۔ بریلی کے قیام میں مفتی عنایت احمد صاحب "صدر امین" مقرر ہوئے۔ درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ بریلی کے تلامذہ میں قاضی عبدالجمیل صاحب قاضی شہر مولوی فدا حسین منصف اور نواب عبدالعزیز خاں مشہور لوگ گذرے ہیں۔ آخرالذکر حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں کے پوتے تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اسی زمانہ میں بریلی میں مفتی عنایت احمد صاحب کے ہم وطن مولوی ضیاء الدین ابن علیم الدین (المتوفی ۱۲۷۲ھ) صدر الصدور تھے۔ ۱۲۷۳ھ میں آگرہ کے صدر اعلیٰ مقرر ہوئے۔

جب نواب خان بہادر خاں نبیرۂ حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے روہیل کھنڈ میں قومی حکومت قائم کی تو ابتدا ہی حکومت کو سخت مالی دشواری پیش آئی مفتی صاحب سے فتوے طلب کیا گیا۔ مفتی صاحب نے فتویٰ دیا کہ نئی حکومت کی ہر طرح سے مدد کی جائے۔ اس فتوے کا اچھا اثر ہوا۔ جب بریلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوا تو کاغذات میں ان کو یہ فتویٰ بھی ملا اس کے جرم میں مفتی عنایت احمد پر مقدمہ قائم ہوا۔ اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ مفتی عنایت احمد صاحب نے جزیرۂ انڈمان میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا۔ جزیرہ انڈمان میں ان کے پاس کسی علم کی کوئی کتاب نہ تھی۔ محض اپنی قوت حافظہ پر مختلف فنون میں رسالے تصنیف کر دئے اور وطن واپس آ کر ماخذات سے ملایا تو حرف بہ حرف صحیح نکلا ایک انگریز کی فرمائش پر تقویم البلدان کا ترجمہ کیا جو دو برس میں ختم ہوا اور وہی رہائی کا سبب بنا۔ ۱۲۷۷ھ میں رہائی پا کر کاکوری آئے۔ مولوی لطف اللہ صاحب علی گڑھ نے تاریخ رہائی مندرجہ ذیل لکھی اور خود کاکوری حاضر ہو کر پیش کی

؎ چوں بفضل خالق ارض و سما	اوستادم شد ز قید غم رہا
بہر تاریخ خلاص آنجناب	بر نوشتم یافت استادی نجا
	(۱۲۷۷ھ)

انڈمان سے آکر مفتی صاحب نے مستقل قیام کانپور میں رکھا اور مدرسہ فیض عام قائم کیا۔ جو کانپور کی مشہور دینی درسگاہ ہے۔ کانپور کے مسلمان تاجر مدرسہ کے مصارف برداشت کرتے تھے مفتی صاحب اپنے مصارف کیلئے صرف پچیس تیس روپے ماہانہ تنخواہ لیتے تھے ۲ دو سال کے بعد حج کا ارادہ کیا۔ مدرسہ فیض عام کانپور میں مولوی سید حسین شاہ بخاری کو مدرس اول اور مولوی لطف اللہ صاحب کو مدرس ثانی مقرر کر کے حج کو روانہ ہو گئے۔ مفتی صاحب ہی امیر الحجاج تھے۔

اس زمانہ میں جہاز ہوا کی مدد سے چلتے تھے، جدہ کے قریب جہاز پہاڑ سے ٹکرا کر ڈوب گیا مفتی صاحب بحالت نماز احرام باندھے ہوئے غرق و شہید ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۷ شوال ۱۲۷۹ھ کا ہے۔ ۵۲ سال کی عمر پائی۔

مفتی عنایت احمد صاحب بڑے صاحب علم و فضل بزرگ تھے آپ کی تصنیفات اس پر شاہد ہیں معقول و منقول ہر دو ۲ علوم میں تجربہ حاصل تھا۔ تمام علوم پوری قوت سے پڑھاتے تھے۔ ریاضی میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ ادب کا ذوق تھا۔ جب مفتی صاحب کانپور میں قیام پذیر تھے، تو روزانہ شام کو میدان میں ہوا خوری کے لئے

تشریف لے جاتے تھے۔ مولوی سید حسین شاہ بخاری سے اکثر علمی و ادبی ذکر ہوتے جاتے تھے، مفتی صاحب کو اردو اساتذہ کا اکثر کلام یاد تھا۔

مفتی عنایت احمد صاحب نے اپنے اُستاد مولوی بزرگ علی صاحب مارہروی کی بعض کتب پر مقدمہ و دیگر تحریرات لکھی ہیں۔ مفتی صاحب کے تلامذہ کثرت سے ہوئے جن میں اکثر نے تو مسندِ درس و افتا کو زینت بخشی۔ جن کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں۔ مولوی سید حسین شاہ بخاری۔ مولوی امیرالدین احمد بخاری۔ مولوی لطف اللہ علی گڑھی۔ مولوی حافظ نواب عبدالعزیز خاں بریلوی، مولوی منظور احمد برادر زادہ مفتی صاحب مولوی حکیم حبیب علی کاکوروی۔

مفتی عنایت احمد کی تصانیف بہت ہیں۔ جو آپ کے علم و فضل پر دال ہیں۔ ان کی زبان نہایت صاف اور بامحاورہ ہے مضامین اخلاقی اور اسلامی ہیں۔ ایک مختصر سا فنڈ جمع کر لیا تھا۔ اس کی مدد سے مفتی صاحب کی یہ تصانیف طبع ہو کر تقسیم و شائع ہوتی تھیں۔

شرح ہدایت الحکمت صدرہ شیرازی تصنیفات حمداللہ اور شرح چغمنی پر حواشی لکھے ہیں۔ آپ کی جملہ تصانیف کے نام یہ ہیں: قریب قریب ہر کتاب کا نام تاریخی ہے:-

علم الفرائض ۱۲۶۲ھ	ملخصات الحساب ۱۲۶۲ھ
الدر الفرید ۱۲۶۲ھ	تصدیق المسیح ۱۲۶۸ھ
الکلام المبین ۱۲۷۰ھ	ضمان الفردوس ۱۲۷۲ھ
شب برات ۱۲۷۲ھ	معذرت میلہ ۱۲۷۲ھ
فضائل علم وعلماء دین ۱۲۷۲ھ	محاسن العمل الافضل مع التتمات ۱۲۷۲ھ
فضائل درود وسلام ۱۲۷۲ھ	ہدایت الاضاحی ۱۲۷۲ھ
احادیث الحبیب المتبرکہ ۱۲۷۵ھ	تواریخ حبیب اللہ ۱۲۷۵ھ
وظیفہ کریمیہ ۱۲۷۶ھ	خجستہ بہار ۱۲۷۶ھ
علم الصیغہ ۱۲۷۶ھ	ترجمہ تقویم البلدان

نقشہ مواقع النجوم۔ لوامع العلوم واسرار العلوم۔

مفتی صاحب موصوف کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام مولوی مظفر احمد تھا۔ اُن کے دو بیٹے محبوب احمد صاحب مرحوم اور ایوب احمد صاحب ایڈوکیٹ گونڈہ ہیں۔ انکی اولاد ہندوستان میں موجود ہے۔ مفتی عنایت احمد صاحب کے بھائی مولوی ولایت احمد صاحب تحصیلدار تھے اور بہت کنبہ پرور بزرگ تھے۔ اُن کے تین بیٹے: مولوی مقصود احمد نطقؔ، مولوی مقبول احمد مہرؔ اور مولوی سلطان احمد۔ ان کی اولادِ نرینہ لاولد فوت ہوئی۔ اولاد دختری البتہ موجود ہے جن میں مولوی عبدالقدوس صاحب۔ پروفیسر یونس حسن فروغؔ علوی اور فدا احمد عباسی صاحب کراچی ہی میں موجود ہیں۔

باب (۳)

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی

مندرجہ بالا تفصیلی حالات اور سیاسی پس منظر کی روشنی میں یہ امر قطعی واضح ہوجاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت روہیل کھنڈ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ کافی عرصہ پہلے سے مواد تیار ہورہا تھا اور یہ انقلاب پیہم سیاسی کیفیات کا قدرتی اور لازمی نتیجہ تھا۔ روہیل کھنڈ کے جہادِ آزادی کے اصل ہیرو جنرل بخت خاں اور نواب خان بہادر خاں تھے۔ نواب خان بہادر نے بچپن میں اپنے خاندان کی بربادی کی داستانیں بزرگوں اور عزیزوں سے سُنی تھیں علاوہ ازیں ملازمت کے دوران انگریزوں کی تنگ نظری کا بھی بخوبی تجربہ ہوگیا تھا لیکن وہ مناسب موقع نہ ملنے کی وجہ سے خاموشی کے ساتھ وقت گزارتے رہے۔ بریلی میں اس تحریک کے دو ممتاز کارکن مولوی سرفراز علی اور مفتی عنایت احمد کاکوروی تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے لٹریچر کی تیاری اور تقسیم کا زبردست نظام قائم کیا تھا۔ مفتی صاحب بریلی میں صدر امین تھے اُن کے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے خاندان سے بھی روابط تھے۔ چنانچہ نئی انقلابی حکومت کی ہر طرح امداد و اعانت

کرنے کا فتویٰ مفتی صاحب نے ہی دیا تھا۔ ایک اور بزرگ جھنڈا شاہ بھی اس گروہ سے وابستہ تھے۔ وہ دن رات لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ پر آمادہ کرتے تھے۔ ۲۱ دسمبر ۱۸۵۸ء کو جھنڈا شاہ گرفتار کر کے کالے پانی بھیج دیئے گئے۔[۱]

حالات کے عمیق مطالعہ سے ایک بات قطعی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ بغاوت کی تنظیم نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ غالباً یہ امر پہلے سے طے پا چکا تھا کہ نواب خان بہادر خاں آخر وقت تک انگریزوں سے بظاہر ملتے جلتے رہیں گے اور ان کو دھوکہ میں ڈال کر آزادی کی تحریک کو تقویت پہنچائیں گے چنانچہ مسٹر ہنری جارج کین ۱۸۵۹ء سے متعلق اپنی یادداشت میں لکھتا ہے:۔

"پچھلی صدی کے محافظ (حافظ رحمت خاں) کے پوتے خان بہادر خاں نے کمشنر بریلی کی کوششوں کی پوری تائید کی اور بریلی کالج سے منسلک ایک مولوی محمد احسن (پروفیسر بریلی کالج) نے جامع مسجد میں تقریر کی اور اس میں بتایا کہ حکومت سے بغاوت کرنا خلاف قانون ہے۔"

---

[۱] مولوی محمد جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:۔ یہاں اچھے اور نیکوں کا بھی یہ حال ہے کہ کوئی ٹاپو مولوی اور پنڈت اور درویشوں اور بھائی جی وغیرہ سے خالی نہیں ہے۔ جھنڈا شاہ ساکن بریلی منگل قطب کے برسوں مونٹ ہریٹ پر بیٹھا ہے گو دسمبر ۱۸۷۲ء میں اس کی رہائی بھی ہو گئی مگر اب تک اپنی جگہ سے نہیں ہلتا اور اس سیٹلمنٹ کے مشرکوں کو اولاد اور روزی تقسیم کرتا رہتا ہے۔

مسٹر الیگزینڈر کمشنر بریلی اپنی رپورٹ کے پیرا ۲۲ میں لکھتے ہیں :-

"شہر کے ممتاز لوگوں نے امن قائم رکھنے کے واسطے رضاکارانہ خدمات پیش کردی تھیں خان بہادر خاں[1] جو مسلمانوں میں برگزیدہ شخصیت کے مالک تھے روزانہ کمشنر سے ملاقات کرتے تھے۔ یہ قدرتی طور پر امید کی جاتی تھی کہ راجپوت ٹھاکر اور روہیلے سردار ایک دوسرے کے خلاف کاروائیاں کریں گے اور اُن کی دیرینہ عداوت امن کے حصول میں سب سے زیادہ ممد و معاون ہوگی"۔ (گویا لڑاؤ اور حکومت کرو)

مندرجۂ بالا اقتباسات کے تجزیہ سے چند حقیقتیں واضح ہوجاتی ہیں :-

(۱) انگریزوں نے علمائے کرام سے کام لینے کی کوشش کی۔

(۲) نواب خان بہادر خاں بظاہر انگریزوں سے ملے ہوئے تھے

(۳) انگریز ٹھاکروں اور روہیلوں کو لڑانے کا تصور رکھتے تھے۔

(۴) عوام کا جذبۂ جہاد بیدار تھا۔

---

[1] ہنگامۂ آزادی کے وقت نواب خان بہادر خاں کی عمر ۷۰ سال تھی وہ اولاً صدر امین پھر صدر اعلیٰ کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

[2] بحوالہ تاریخ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سین نے صفحہ ۳۴۶ پر الیگزینڈر کمشنر روہیلکھنڈ کی رپورٹ کے پیرا ۵۵ کے حوالے سے لکھا ہے کہ خان بہادر ہنگامہ سے ایک دن قبل فوجیوں سے بھی ملاقی ہوئے تھے اور انہوں نے کمشنر سے آخری ملاقات میں کہا کہ "اپنی جان بچاؤ"

عوامی جذبات کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے کہ مولوی محمد احسن نانوتوی جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں ہنگامۂ آزادی سے آٹھ دس دن قبل ہی بریلی سے روانہ ہونے پر مجبور ہو گئے۔ وہ اپنی قلمی بیاض میں لکھتے ہیں کہ میرے متعلق مولوی احمد علی سہارنپوری کو مطلع کر دیا جائے۔

"خودش مبتلاء مصائب گردیدہ بریلی وا گذاشت و سرگرداں شد

مولوی سلیمان خاں اسد لکھتے ہیں:۔

"بغاوت سے چند روز قبل چیف کمشنر روہیل کھنڈ مسٹر الیگزینڈر نے مختلف اقطاع ملک کی خبریں سن کر نواب خان بہادر خاں کو طلب کیا اور کہا کہ روہیل کھنڈ آپ کا آبائی ملک ہے آپ اس کا انتظام سنبھال لیجئے۔ نواب خان بہادر خاں نے اُس وقت عذر و معذرت کر کے اپنی جان چھڑائی"!

مسٹر ہینری کین نے مندرجۂ بالا ملاقات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:۔

"خان بہادر خاں نے جواب دیا کہ حالات نازک ہو گئے ہیں لہٰذا آپ اپنی حفاظت کی فکر کیجیے"!

یہ ملاقات ۳۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو ہوئی تھی یعنی بغاوت سے صرف ایک دن قبل۔

لہ (ملاحظہ ہو قلمی بیاض مولانا احسن نانوتوی) مملوکہ محمد ایوب قادری

سادات نو محلہ کی جدّ و جہد

"جب انگریز بھاگنے لگے تو معززینِ شہر میں سے سیّد میاں جان، سیّد فیض اللہ (فیض علی) میرن جان ساداتِ نو محلہ دس^۱ پندرہ نفوس اُن سے ملے اور کہا کہ شہر کا انتظام ہاتھ میں لیجیے۔ مگر یہ اب بھی تیار نہ تھے۔ یہاں تک کہ جنرل بخت خاں اور دوسرے اُفسروں نے متفق ہو کر روہیل کھنڈ کا نواب ان کو منتخب کیا۔"

بریلی میں انگریزی قوّت

۳۱ رمئی ۱۸۵۷ء کو انگریزی حکومت کی مندرجہ ذیل فوجیں، اور افسران بریلی چھاؤنی میں موجود تھیں۔

(۱) اٹھارویں پلٹن (۲) اڑسٹھویں پلٹن

(۳) آٹھویں بے قاعدہ گھوڑ اسوار فوج۔

پہلی فوج کے سربراہ مسٹر پیرسن۔ دوسری کے سی۔ ٹروپ اور تیسری کے کیپٹن میکنزی تھے۔

سول افسران:-

رابرٹ ایلگزینڈر	کمشنر
جے۔ گوتھری	مجسٹریٹ
ڈی رابرٹس	جج
جے۔ ڈی۔ ریکس	سیشن جج^۲

۱۔ ڈسٹرکٹ گزیٹر ص۱۵۔

معرکہ | جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس بغاوت کی تنظیم کا حقیقی سہرا جنرل بخت[1] خاں کے سر ہے۔ بخت خاں ہلکے توپ خانہ کا افسر تھا۔ اس توپ خانے کے تمام توپچی بھی دیسی تھے اور اس کی بڑی شہرت تھی۔

"۱۵ مئی خبر سرکشی مقامات دہلی اور میرٹھ کی اس مقام پر پہنچی۔ اس تاریخ تک مقام ہذا میں کوئی امر مشتبہ نسبت نمک حلالی سپاہ کے وقوع میں نہیں آیا تھا اور کئی روز بعد تک وصولی خبر مذکورہ بالا کے بھی کوئی علامت فساد کی ظاہر نہ ہوئی پریٹ (پریڈ) دلیل وغیرہ سب دستور سابق ہوتی رہیں۔ اگرچہ واقعات میرٹھ اور دہلی کے ہر ایک سپاہی کو لین میں معلوم ہوتے تھے مگر ان کے طریق اور رویہ میں کچھ فرق نہ آیا[2] تھا۔"

یہ ہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"اب اکثر مفرورین مقامات مختلفہ کے اس شہر میں آنا شروع ہوئے اور ہر روز بکثرت آتے تھے اور اخبارات تو دہشت و خوف مشتہر کرتے تھے"۔[3]

---

[1] جنرل بخت خاں روہیلوں کی ضرب المثل تنظیمی صلاحیتوں کا مظہر تھا۔ اس میں مقصد کا خلوص بھی تھا اور عسکری تنظیم کا جذبہ بھی"۔ مقدمہ روزنامچہ عبداللطیف ۱۸۵۷ء اور پروفیسر خلیق احمد نظامی [2] صفحہ ۲۸۶ محاربہ اعظم از کنہیا لال کپور

بریلی سے انگریزی قوت کے خاتمہ کی سرگزشت مولوی نجم الغنی خاں رامپوری کے لفظوں میں درج ذیل ہے۔

صبح یعنی ۳۱ رمئی کو اتوار کے دن سب یوروپین اور کرسچین حسب معمول عبادت کے واسطے گرجا میں جمع ہوئے۔ نو اور دس بجے کے درمیان مسمی محمد بخش عرف بخت خاں صوبہ دار توپخانہ پلٹن ۱۸ و ۶۸ پیادگان ہندوستانی اور ۸ سواران ہندوستانی متعینہ چھاؤنی بریلی باغی ہوا اور توپ کا فیر ہوا۔ یہ فیر گویا اطلاع اس بات کی تھی کہ فوج باغی ہو گئی۔ فیر کے بعد گولے جلد جلد چلنے لگے اور مسلح سپاہی دیوانوں کی طرح انگریزوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔"

فساد کے وقت سب یوروپین ۸ ویں رسالے کی لین کے متصل جمع ہوئے اور جو فوج کی تنبیہ کو گئے قتل ہوئے۔ جنرل سب بولڈ اپنے اردلی کے ہاتھوں مارا گیا بلکہ اس کو ایک مجاہد آٹھویں بنگال رجمنٹ کے دفعدار مامور (MAMOOR) (ممو) یا منور خاں نے قتل کیا تھا۔ اگست ۱۸۵۸ء میں اتفاقاً لفٹننٹ ہیری بی وائیل کو جاسوسوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ کچھ مجاہد جلال آباد سے پچیس میل دور ایک موضع میں پناہ گزین ہیں چنانچہ صوبیدار خیر اللہ خاں کے تحت (بنگال رجمنٹ) کی کمان میں ایک فوج بھیجی گئی۔ اس جنگ میں ناظم شاہجہان پور (یو۔ پی) کے بھائی رحیم داد خاں

شہید ہوئے۔ جس سے انگریزوں کو بڑی مسرت ہوئی اور منوّر خاں گرفتار ہونے کے بعد سخت تکالیف اُٹھا کر شہید ہوئے۔ ۱۵۸ ہندوستانی سپاہ کے بہادرانہ کارنامے اور انڈین میرٹ آرڈر ص ۱۵۸-۱۵۱

جج رابرٹسن ڈاکٹر ہنس برو ڈپٹی کلکٹر ۱ آک۔ مولوی حامد حسن منصف کے مکان میں اور پرنسپل بریلی کالج سابق سیشن جج امان علی کی کوٹھی میں جا چھپے لیکن پکڑے گئے اور قتل ہوئے۔ امان علی کی کوٹھی نذرِ آتش کی گئی۔ (اخبار الصنادید)

فرار کی سرگزشت:۔

"کمشنر بریلی اور مجسٹریٹ تقریباً تیس آدمیوں کو لے کر گھوڑوں پر نینی تال روانہ ہوئے۔ جب یہ لوگ بہیڑی پہونچے تو بنگلے جلے ہوئے ملے۔ بہیڑی کے پیشکار سے خزانہ طلب کیا اس نے روپیہ دینے سے صاف انکار کر دیا تو اور آگے بڑھ گئے۔ تھوڑی دیر کچھا ٹھہرے۔ صبح کو ہلدوانی پہونچے ۷ جون ۱۸۵۷ء کل ۲۸ یورپین تھے۔ پلٹن ۸ کے چند وفادار سپاہی اور بدرالدین[۱] کوتوال ساتھ تھے۔"

---

[۱] روہیل کھنڈ گزیٹر ص ۱۷۲۔ شیخ بدرالدین انگریزوں کا بڑا وفادار تھا اس نے ابتدائی ایام میں بڑی مستعدی کے ساتھ بیرونی سپاہ کو شہر میں داخل ہونے سے روکا۔ آخر وقت تک انگریزوں کے ساتھ نینی تال مقیم رہا۔ انگریزوں نے بعد فتح جائیداد کے علاوہ آنولہ ضلع بریلی میں تحصیلدار کے منصب سے نوازا۔ تفصیل کے واسطے دیکھو ہندوستان کے وفادار مسلمان' از سر سید احمد خاں۔

درگاداس بندوپادھیہ نامی ایک بنگالی کلرک انگریزی حکومت کا ایک اہل کار بریلی میں تعینات تھا اس شخص نے ایک طویل ڈائری لکھی تھی جو کلکتہ لائبریری میں محفوظ ہے۔ یہ بنگالی انگریزوں کا بڑا وفادار تھا ایک جگہ لکھتا ہے:-

انگریز افسران خوفزدہ ہو کر ایک باغ میں پناہ گزین ہوئے اُن کے ساتھ بیس وفادار دیسی افسران بھی تھے ½ ۱۰ بجے کے قریب کیولری کے سپاہی رسالدار میجر محمد شفیع کی قیادت میں انگریزی فوج میں شامل ہونے کے ارادہ سے روانہ ہوئے لیکن انگریز اُن کی منشا سمجھے بغیر گھبرا کر بھاگ نکلے۔ رسالدار میجر اُن کے پیچھے پیچھے چلا لیکن انہیں اُس کی وفاداری کا یقین نہیں آیا۔ رومال بھی ہلایا اب مجبوراً وہ باغیوں کے ساتھ شامل ہو گیا"

مجاہدین نے تھوڑی سی جد وجہد کے بعد میگزین اور خزانۂ سرکاری پر قبضہ کر لیا۔ میر سیف اللہ تھری نے جیل خانہ کا پھاٹک توڑ کر ساڑھے تین ہزار قیدی آزاد کر دیئے۔ فوجیوں میں جنرل بخت خاں کے علاوہ سب سے پرجوش مجاہد محمد شفیع رسالدار تھا۔

افسوس ہے کہ محمد شفیع رسالدار کے حالات و واقعات پردۂ خفا میں ہیں

بحوالہ صفحہ ۳۴۷ تاریخ جنگ آزادی ہند از سین۔

صرف دو تین جگہ ضمناً اس کا ذکر آیا ہے مثلاً مولوی ذکاء اللہ دہلوی لکھتے ہیں :-

"آٹھویں سواروں کی رجمنٹ میں انگریز افسر جانتے تھے کہ دغا باز بھرے ہوئے ہیں جن میں محمد شفیع جو سب سے بڑا افسر تھا وہ سب سے زیادہ دغا باز تھا"۔

فارسٹ لکھتا ہے :-

"لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی رسالدار نے انگریزوں کو اوائل مئی میں یقین دلایا تھا کہ کیولری بہر صورت وفادار رہیگی"۔

---

[1] صفحہ ۸۲۲ تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ از منشی ذکاء اللہ

[2] صفحہ ۳۰۴ ہندوستانی بغاوت کی تاریخ از ارسی مجمدار

باب ۴

نواب خان بہادر خاں کا اقتدار

جب غیر ملکی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا تو نواب خان بہادر خاں حسب تجویز جنرل بخت خاں روہیلہ۔ مدار علی خاں۔ سو بھارام۔ محمد شفیع رسالدار امیر المجاہدین مولوی سرفراز علی حسین علی رسالدار، سادات نو محلہ وغیرہم روہیل کھنڈ کے حاکم مقرر ہوئے۔

"ہوادار پر سوار ہو کر کوتوالی آئے۔ اجلاس کیا بشرفائے بریلی نے نذریں دیں"۔[۱]

انگریزی ذرائع کے مطابق نواب خان بہادر خاں کے علاوہ بھی دو ایک شخصیتیں روہیلکھنڈ کا اقتدار اعلےٰ سنبھالنے کی مدعی تھیں۔ ڈنگلس کی رپورٹ کی بنیاد پر مسٹر سین لکھتے ہیں:۔

---

[۱] بحوالہ تواریخ بریلی قلمی از منشی عبدالعزیز خاں۔

"مبارک شاہ جو پٹھانوں کا سردار تھا اقتدار اعلیٰ کا مدعی بن بیٹھا۔ حقیقتاً وہ کوتوالی کی جانب جا رہا تھا جب اس نے دیکھا کہ خان بہادر بھی وہاں جا رہے ہیں تو اس نے فوراً ان کی امارت تسلیم کر لی اور پھر حاکم بدایوں مقرر ہوا۔" لے

قومی حکومت کے عہدیداران :-

۱۔ خان بہادر خاں .. .. ناظم روہیل کھنڈ

۲۔ سدار علی خاں .. .. کمانڈر انچیف

۳۔ ہوری لال ابن سوبھا رام .. .. بخشی فوج

۴۔ سوبھا رام .. .. دیوان کل و عدالت اپیل اعلیٰ

۵۔ محمد یوسف .. .. رسالدار

۶۔ اکبر علی خاں .. .. کوتوال

۷۔ محمد احسن خاں .. .. منصف

۸۔ محمد امین خاں .. .. صدر امین

۹۔ مظفر حسین خاں .. .. ،، ،،

۱۰۔ مولوی سید احمد بدایونی .. .. مفتی

۱۱۔ ملا منیر .. ..

لے تاریخ روہیلکھنڈ از مولوی عبدالعزیز خاں عاصی مرحوم

۱۲۔ حافظ کالے خاں .. .. دُرّے لگانے والے

۱۳۔ مولوی حیدر علی روزنامچہ نگار (مؤلف تاریخ غدر ہندی)

۱۴۔ مولوی خاں .. .. افسر کیمپ

۱۵۔ منشی فرحت اللہ .. .. بخشی فوج

مندرجۂ بالا فہرست نامکمل ہے تاہم بڑی حد تک درست ہے۔

اعلانِ آزادی نواب خان بہادر خاں نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی مندرجۂ ذیل اعلانِ آزادی جاری کیا تھا:۔

"ہندوستان کے رہنے والو! بڑے انتظار کے بعد ہماری آزادی واپس آگئی ہے۔ اب بتاؤ تم اسے قبول کرتے ہو یا رَد کرنا چاہتے ہو؟ تم اس مبارک موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو یا اپنے ہاتھوں سے دے دینے پر تیاّر ہو اور فائدہ کے خواہشمند نہیں ہو"

ہندو مسلمان بھائیو! تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تم نے انگریزوں کو رہنے دیا تو وہ تم سب کو ذبح کر کے تمہارے دین و مذہب کو تباہ کر دیں گے۔ ہندوستان والوں کو اتنے عرصہ سے انگریزوں نے فریب دے رکھا ہے اور اُنہیں کی تلوار سے اُن کا

ؔ از مولوی عبدالعزیز خاں عاصی بریلوی مرحوم

گلا گھونٹ رہے ہیں۔ پھر تفرقہ ڈالنے کا پرانا حربہ استعمال کرینگے وہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں گے اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف اُکسائیں گے۔ ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ اب اُن کے ہاتھ نہ پڑیں۔ لیکن اُمید ہے کہ ہندو بھائی اُن کے جال میں پھنسیں گے۔ ہوشیار و چالاک ہندو بھائیوں سے یہ کہنا بھی بہت ضروری ہے کہ انگریز اپنے وعدے کو ہرگز پورا نہیں کرتے ہیں۔ وہ مکاری و غداری کے عادی ہو چکے ہیں"۔ ؎۱

خفیہ سیاسی دستاویزات کی روشنی میں سین نے لکھا ہے کہ انہوں نے اعلان کیا کہ:۔

"اگر ہندو انگریزوں کے خلاف مدد دیں گے تو اسی دن سے مسلمان گائے کی قربانی بند کر دیں گے"۔ ؎۲

نواب خان بہادر خاں کا مندرجہ بالا اعلان اُن کی بالغ نظری اور سیاسی سوجھ بوجھ کا بہترین مُرقّع ہے۔ اس اعلانِ آزادی کا کماحقہٗ اثر ہوا اور تقریباً کل روہیلکھنڈ ماسوائے ریاست رام پور مجاہدین کے قبضہ میں آگیا۔ روہیل کھنڈ کے ہندو عوام

؎۱ کتاب ۱۸۵۷ء از محمد شفیع۔ ابھی پچھلے سال گورنر سکریٹریٹ لاہور میں واقع انارکلی کے مقبرہ میں ایک مختصر میوزیم دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ دیکھ کر حیرت اور خوشی ہوئی کہ خان بہادر خاں کا مندرجۂ بالا اعلان بڑے اہتمام سے محفوظ ہے۔ یہ اعلان مکتبۂ بہادری بریلی میں چھپا تھا۔ عبارت پُرانے طرز کی ہے غالباً محمد شفیع صاحب نے اسکو ضروری ترمیم و تنسیخ کے بعد چھاپا ہے۔ رسالہ نقوش لاہور نے بھی یہ اشتہار شائع کیا ہے۔

؎۲ تاریخ جنگ آزادی از سین

شروع سے نواب خان بہادر خاں کے ساتھ ہے لیکن طبقۂ خواص میں ٹھاکروں کی انانیت جہاجنوں کی زر پرستی آڑے آئی۔ علاوہ ازیں انگریزی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بھی نواب کو ہندو خواص کا اعتماد حاصل نہ ہو سکا جس کی وجہ سے جدو جہدِ آزادی پر زبردست اثر پڑا۔

اُس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ کاروبار تمامتر ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا اور کاروباری لوگ خواہ کسی قوم کے ہوں پیسے کے معاملہ میں عموماً بخیل ہوتے ہیں چنانچہ اس وقت کے غیر مسلم کاروباری لوگوں کا اس کمزوری سے استثناء کس طرح ممکن تھا؟ انہوں نے آزاد روہیلہ گورمنٹ سے تعاون نہیں کیا اور انگریزوں کی فلاح وبہبود کے واسطے خاموشی کے ساتھ جدو جہد کرتے رہے۔ اُن میں سے بعض باقاعدہ جاسوسی کے فرائض بھی ادا کرتے تھے۔ نواب خان بہادر خاں نے اُن لوگوں سے جنگِ آزادی میں صرف کرنے کے لیے چندہ جمع کرنے کے واسطے جو کمیٹی ترتیب دی تھی وہ تمامتر ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ اس ضمن میں مسلم علماء سے فتوے اور برہمن اہل علم سے امداد حاصل کی گئی تھی [۱]

انگریزوں نے ہندو مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کی غرض سے تاریخ کو بُری طرح مسخ کر دیا اور اس سلسلہ میں بڑی چالاکی سے کام لیا۔

انگریزوں کی پیدا کردہ ذہنیت کا شکار ہو جانے اور مرعوبیت کے جذبہ کے تحت محاربۂ عظیم کے مُصنّف کنہیا لال کپور نے لکھا ہے:۔

---

[۱] ملاحظہ ہو صفحہ ۳۴۹

"ہندو بے چارہ بااختیار مسلمین ہیں جب چاہا اُن سے
خدمت لی اور جب نہ چاہا علیحدہ کر دیا مگر اس بات کی تحقیق
کرنا مشکل ہے کہ ہندو بھی بدرجۂ مساوی شریک مفسدہ تھے اور
انھوں نے بھی ہمراہ مسلمانوں کے سرکشی کی تھی ہر چند عرصہ تک
علامات دلسوزیِ سرکار اُن سے ظہور میں آئی تھی"[1]

مندرجہ بالا تحریر لکھ کر ہندوؤں کی مظلومیت ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انگریز اس مصیبت زدہ اور ستائی ہوئی قوم پر ظالم مسلمانوں کے مقابلہ میں مہربان ہو جائیں۔ یہ موقع پرستی کی شرمناک مثال ہے۔

---

[1] صفحہ ۳۹ محاربۂ عظیم از کنہیا لال کپور

باب (۵)

نوابِ رام پور کی انگریز دوستی

نواب یوسف علی خاں جو اس وقت مسند نشین ریاست رام پور تھے. بڑے موقع شناس. انگریز پرست اور چالاک شخص تھے.

"اس میں شک نہیں کہ اگر ریاست (رام پور) کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو روہیل کھنڈ میں کسی جگہ پناہ ملنا محال تھا اور دوبارہ حکومت (انگریزی) نہایت دقتوں سے قائم ہوتی" لے

۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ آزادی کی اطلاع جونہی نواب رام پور کو پہونچی انہوں نے فی الفور کلکٹر و جج مُرادآباد کو مطلع کر دیا. جب انگریز مرادآباد چھوڑ کر بھاگنے لگے تو مجاہدین نے نوّاب مجّو خاں اولاد عظمت اللہ خاں سابق شاہی حاکم مرادآباد کو اپنا لیڈر منتخب کر لیا. دوسری طرف ایک گروہ عباس علی خاں کے ساتھ تھا یہ بزرگ نبیرۂ نواب دوندے خاں تھے۔

لے اخبار الصنادید از مولوی نجم الغنی خاں

مُرادآباد میں ان دو سربرآوردہ شخصیتوں کے علاوہ حضرت مولانا کافی مرادآبادی مولوی سرفراز علی سید اکبر علی۔ سیّد گلزار علی، مولوی وزیر علی وغیرہم بھی تحریک کے نمایاں لیڈر تھے۔ ۱۹ر مئی ۱۸۵۷ء کو مولوی وہاج الدین عرف مولوی منّو کی قیادت میں جیل خانہ پر حملہ ہوا اور جملہ قیدی رہا کردیئے گئے۔ علما کے اس جاں باز گروہ نے آس پاس کے علاقے میں روحِ جہاد پھونکنے کے واسطے مسلسل دورے اور تقریریں شروع کیں۔

جیساکہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے مجاہدینِ مُرادآباد کے دو گروہ تھے۔ اس کشمکش کا حقیقی فائدہ نواب رام پور کو حاصل ہوا۔ حکیم سعادت علی خاں کے ذریعہ مُرادآباد پر بزورِ قوّت نوابی افواج نے قبضہ کرلیا۔ جو انگریز مجاہدین کے پاس قید تھے۔ ایک لالہ ہندو کا مل کے مکان میں بہت آرام سے ٹھہرائے گئے اور ۵ روپے یومیہ اُن کے خرچ کے واسطے مقرّر کردیا گیا۔ نواب یوسف علی خاں نے مزید چالاکی یہ کی کہ نواب مجّو خاں کو ہی حاکم مرادآباد رہنے دیا۔ نواب مجّو خان آپس کے اختلاف کی وجہ سے مجبورِ محض تھے۔ ورنہ اُن کے جذبۂ جہاد میں کوئی شک نہیں تھا اس وقت مرادآباد میں نوّاب مجّو خاں کی نظامت کے علاوہ حکیم سعادت علی خاں جج۔ نیاز علی خاں ڈپٹی کلکٹر۔ مولوی رضا جیلر تھے۔ نواب رام پور نے مرادآباد پر قبضہ تو کرلیا لیکن انگریزوں کی منظوری کے بغیر یہ قبضہ ناجائز تھا اس لئے انہوں نے نینی تال سے منظوری منگانے کے واسطے نامہ و پیام شروع کیا۔ انگریزوں نے اس بے بسی کے عالم میں بھی جبکہ سب طرف سے محصور ایک پہاڑی پر چھپے بیٹھے تھے۔ نوّاب

رام پور کو عارضی قبضہ رکھنے کی اجازت دی۔ یہ اجازت ملنے کے بعد نواب یوسف علی خاں بڑے کرّو فر کے ساتھ ۲؍جون ۱۸۵۷ء کو مُراد آباد آئے اس عرصہ میں عوامی جذبۂ جہاد بجائے فرو ہونے کے بڑھتا ہی گیا۔

۳۱؍مئی ۱۸۵۷ء کو بریلی میں پرچم آزادی لہرایا گیا تھا۔ نواب خان بہادر خاں نے ایک ہفتہ کے اندر اندر حکومت کا اندرونی ڈھانچہ درست کر کے مراد آباد کی طرف توجہ کی۔ اُن کو مولانا کافی شہید کے ذریعہ مراد آباد کے تفصیلی حالات کا علم ہوا۔ نواب رام پور کی مسلح مداخلت کا جواب دینے کے واسطے جنرل بخت خاں روانہ کئے گئے نواب خان بہادر خاں نے مالاگڑھ کے نواب سے بھی طے کیا کہ ریاست رام پور پر قبضہ کرنے کا مرحلہ آئے تو ایک طرف سے وہ اور دوسری طرف سے اُن کی فوج بڑھ کر قبضہ کر لے گی۔

جنرل بخت خاں کی آمد آمد کی خبر سُن کر نواب رام پور نے اپنے افسران کو واپس بُلا لیا۔ ۱۴؍جون کو جنرل بخت خاں مراد آباد پہونچے۔ مُراد آباد آزاد ہو گیا۔ نواب مجّو خاں نے جنرل بخت خاں کی فوج کے واسطے باربرداری کا انتظام کیا۔ نواب خان بہادر خاں اور جنرل بخت خاں کی کوششوں سے عبّاس علی خاں نبیرۂ نواب دوندے خاں اور مجّو خاں میں صلح ہو گئی۔

۹؍جون ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں کئی ہزار فوج کے ساتھ رام پور آیا۔ مولوی سرفراز علی اس کی طرف سے سفیر تھے۔ تمام شہر

کو مورچہ بند کیا شہر کے مفسد بخت خاں، کو جاکر بھڑکاتے تھے اُن کا منشا تھا کہ روپیہ دیا جائے اور ولی عہد بہادر ریاست معہ فوج کے دہلی کو ساتھ چلیں۔ یہ مرحلہ سب سے زیادہ سخت تھا۔ علی بخش خاں نے اس مرحلہ کو بہ لطائف الحیل طے کیا اور بخت خاں کو خوب رسد بھجوائی۔ مبالغہ کی حد تک مولوی سرفراز علی سفیر کی عزت افزائی کی اور اس طرح اپنے کو بچا لیا۔"

نواب یوسف علی خاں نے اپنی مزید خیر خواہی ثابت کرنے کے واسطے دہلی سفارت بھیجی۔

مندرجہ بالا بیان کی تصدیق ۱۸۵۷ء کے ایک نایاب روزنامچہ سے بھی ہوتی ہے:۔

"نواب یوسف علی خاں صاحب رام پور نے انگریزوں کے مشورہ سے ایک عرضی لکھی اور نذر ارسال کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ نہال الدین نامی ایک شخص کو یہ عرضی اور کچھ روپیہ بطور نذر پیش کرنے کے لئے بھیجا۔ آج نہال الدین بارگاہ میں باریاب ہوا اور عرضی و نذر پیش کی۔ بادشاہ نے نذر قبول فرما کر کہا کہ بے بنیاد باتوں کو سن کر ہمارا خیال یوسف علی خاں کے بارے میں اچھا نہیں تھا لیکن آج آشکارا ہو گیا کہ وہ ابھی باہوش ہے اور اطاعت سے مملو۔"[1]

---

[1] ۱۸۵۷ء کا روزنامچہ از عبد اللطیف مرتبہ پروفیسر خلیق نظامی ۱۵۹

سیاسی غلطی نواب خان بہادر خاں نے جنرل بخت خاں کو رام پور روانہ کرتے وقت اعلان کیا تھا کہ تخت رام پور کی اصلی وارث شمسہ تاجدار بیگم بنت نواب احمد علی خاں مرحوم ہیں اور یہ کہ اُن کو ہی تخت نشین ریاست کیا جائے گا لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے جنرل بخت خاں نواب رام پور کی چاپلوسی اور سیاست کا شکار ہوگئے چنانچہ مندرجہ ذیل امور پر سمجھوتہ ہوگیا اگرچہ اس عارضی سمجھوتہ پر کبھی عمل نہ ہوا۔

(۱) ریاست کی فوج اور ولی عہد انگریزوں کے خلاف جنرل بخت خاں کی فوج میں شریک ہوں گے۔

(۲) ریاست رام پور ہر طرح کی مالی امداد دے گی۔

یہ صلحنامہ دراصل ایک عظیم سیاسی غلطی کے مترادف تھا۔ اگر جنرل بخت خاں اور نواب خان بہادر خاں ریاست رام پور کو عوام اور فوج کے اشتراک سے آزاد روہیلہ اسٹیٹ میں ضم کر دیتے تو انگریز جاسوسی اور رسد رسانی کے ایک اہم اڈہ سے محروم ہو جاتے والیِ رام پور کے ذریعہ انگریزوں کو چھوٹی سے چھوٹی اطلاع مل جاتی تھی۔ نواب یوسف علی خاں کو انگریزوں کی اس حد تک پاسداری تھی کہ آج بھی حیرت ہوتی ہے۔

۱۲ر فروری ۱۸۵۸ء کی تحریر میں آپ (ایلگزینڈر کمشنر روہیلکھنڈ ڈویژن) لکھتے ہیں کہ میرا کتا میرٹھ میں ایک صاحب کے پاس ہے اُن کے

میم کی تحریر ملفوف ہے۔ میرٹھ سے منگا کر نینی تال بھیج دو۔"

رام پور سے ہٹ کر جنرل بخت خاں مراد آباد پہونچے اور وہاں سے دہلی روانہ ہوئے

نواب خان بہادر خاں کا اعزاز

شہنشاہ ہند ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ ظفر نے نواب خان بہادر خاں کو خلعتِ سرفرازی۔ خطاب نواب انتظام الدولہ۔ خان بہادر تہور جنگ رئیس اعظم روہیل کھنڈ عطا کیا۔

عبداللطیف نے اپنے تاریخی روزنامچہ میں اس واقعہ کو سرسری طور پر اس طرح لکھا ہے:۔

"۱۷ ذیقعدہ ۱۱ جولائی سنہ ۱۸۵۷ء"

"بریلی میں شورش برپا کر کے خان بہادر خاں نبیرۂ نواب حافظ رحمت خاں نے بادشاہ کو عرضی لکھی اور راز دار کی زبانی بھی پیغام بھیجا چنانچہ بریلی کی جاگیر اُن کے سپرد کی گئی۔"

سٹین لکھتا ہے کہ

"دہلی سے اپنی اختیار کردہ حیثیت کی مطابقت میں فرمان شاہی حاصل کرنے کے واسطے اس نے نذر اور قیمتی تحائف بادشاہ کو ارسال کئے اور مناسب وقفہ کے بعد ضروری فرمان حاصل کر لیا۔"

لہ بحوالۂ تاریخ کاملانِ رام پور از مفتی احمد علی خاں شوق رامپوری

باب (۶)

مجاہدینِ دہلی کا پیغام

دہلی سے خلعتِ سرفرازی کے ساتھ ساتھ حسب ذیل پیغام بھی موصول ہوا

دہلی کے کمانڈر کی طرف سے بریلی کے کمانڈر کی طرف دلی مبارکباد!

"بھائیو! یہاں انگریزوں سے لڑائی شروع ہو گئی ہے جو مضبوط فوج لیکر آ گئے ہیں اور جو شکست خدا کی مہربانی سے اُنہوں نے ہمارے ہاتھ کھائی ہے وہ دس شکستوں کے برابر ہے۔ ملک کے بڑے بڑے ہیرو دہلی پہونچ رہے ہیں ایسے نازک وقت میں اگر تم کھانا وہاں کھاؤ تو ہاتھ یہاں آکر دھوؤ۔ ہمارا شہنشاہ تمہاری خدمت گذاری اور تمہاری آمد کا پچاس گنا صلہ دے کر تمہیں خوش آمدید کہے گا ہمارے کان تمہاری توپوں کی آواز سننے کے لئے بے چین ہیں اور ہماری آنکھیں تمہیں دیکھنے کی مشتاق ہیں۔ آؤ! فوراً آؤ! کیونکہ بھائیو! گلاب کے

پھول کا حال بغیر بہار خراب ہوتا ہے"۔

مندرجۂ بالا شاہی فرمان کے صدور کے بعد نواب خان بہادر خاں جنرل بخت خاں کو دہلی بھیجنے پر راضی ہو گئے۔ جنرل بخت خاں اپنی جگہ ایک آزاد حیثیت کا مالک تھا وہ خود بھی دہلی جانا چاہتا تھا تاکہ دارالحکومت میں بیٹھ کر ہندوستان گیر مہم چلائے۔ ۲ر جولائی ۱۸۵۷ء کو جنرل بخت خاں بریلی بریگیڈ کے ساتھ دہلی میں داخل ہوئے وہاں کی انقلابی حکومت کو منظم کیا اور مجاہدانہ سرگرمیوں میں جان ڈال دی۔

ظہیر دہلوی لکھتے ہیں :۔

"جنرل بخت خاں ۱۴ ہزار کا کمپو۔ چند توپیں اور ۳ رجمنٹیں سواروں کی لے کر اور کئی لاکھ روپیہ سمیت ۲ر جولائی کو دہلی میں داخل ہوا۔ سر پر انگوچھا لپٹا ہوا۔ کرچ گلے میں پڑی ہوئی........ بیچے حال کھلا "بریلی والا جنرل" وہی تھا۔"

جنرل بخت خاں کی دہلی میں آمد کے بعد انگریزوں کے خلاف جوش جہاد زیادہ ہو گیا۔ مجاہدین کے حملے شدت اختیار کر گئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجاہدین دہلی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ لڑائیاں ہر روز ہوتی تھیں اور مجاہدین سر ہتیلی پر رکھکر مقابلہ پر جاتے تھے لیکن درباری سازشیں زور پر تھیں اس کے آگے غریب جان نثار کرنے والوں کو کون پوچھتا۔ دہلی کی جنگ اگرچہ ہمارے موضوع سے خارج ہے تاہم مختصراً ہم دو چار اہم اور ضمنی واقعات مُشتے نمونہ از خروارے درج کریں گے تاکہ یہ معلوم

ہوسکے کہ ہندوستان کے پایۂ تخت کی ایسے نازک وقت میں کیا کیفیت تھی اور دہلی کا مورچہ ٹوٹ جانے کے بعد جنگ آزادی کے دوسرے محاذ کس طرح ایک ایک کر کے ختم ہو گئے

محاصرۂ دہلی کی ایک یادگار جنگ

اس جنگ کا آنکھوں دیکھا حال حسب ذیل ہے :-

اپنے دوست کے مکان کی چھت پر جو شہر پناہ سے ملی ہوئی تھی چڑھ کر تماشہ لڑائی کا دیکھنے گئے وہاں فصیل شہر پناہ کے روزنوں سے ایک عجیب ہنگامۂ جنگ نظر آتا تھا۔ اتفاقاً اس روز نصیر آباد کی چھاؤنی کی پلٹن نمک حرام جو باغی ہو کر آئی تھی اور نہایت جنگجو مشہور تھی مقابلہ کیلئے پہاڑ کی طرف چلی۔ فوج انگریزی پہاڑ پر نظر آتی تھی۔ ہر چہار طرف پہاڑی کے ایک نہر کاٹ کر انگریزوں نے نکالی تھی تاکہ غنیم اس طرف دفعتاً نہ آسکے، البتہ ایک راستہ اپنی فوج کی آمد و رفت کے لئے ایک جانب رکھا تھا اور اس طرف مورچے مستحکم تھے۔ شہر سے جو پلٹن کے سوار دروازہ کے باہر نکلتے اُن پر صدہا گولے توپ کے پہاڑ کی جانب سے آکر گرتے فوج غنیم پسپا ہو کر یمین و یسار کو بھاگ جاتی اور خالی بندوقوں کی باڑھ پہاڑی کی جانب کو فیر کرتی لیکن نصیر آباد کی پلٹن کا صوبہ دار بہت جری اور بہادر شخص تھا اور قواعد جنگ سے بخوبی واقف تھا۔ جس وقت شہر پناہ سے وہ فوج لیکر باہر نکلا تو اس پر گولہ باری ہوئی مگر اس کا قدم برابر سڑک کے ادھر اُدھر نہ ہوا اور سیدھا پہاڑی کی جانب چلا گیا اور اس کی فوج برابر اس کے قدم بقدم جاتی تھی اور جو سپاہی مرتا تھا یا زخمی ہوتا تھا اس کو پیچھے سے اور فوج والے ڈولیوں میں ڈال کر شہر کے اندر

لے آتے تھے اور سقوں کی قطار بھی پکھالوں میں پانی لئے پیچھے فوج کے جاتی تھی۔ الغرض وہ دامن کوہ تک پہونچ گیا تو اب گولے کی زد سے اس کی فوج محفوظ رہی کیونکہ گولا آگے بڑھکر گرتا تھا وہاں اس نے اپنی پلٹن کے دوؔ حصے کئے اور بگل بجایا۔ نصف حصہ اس کی پلٹن کا جانبِ جنوب بھاگتا ہوا چلا گیا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ شکست فاش ہوئی اور نصف حصہ فوج کے مقابل کھڑا رہا۔ جو نصف حصہ بھاگ کر جانبِ جنوب گیا تھا وہ دفعتاً زمین میں گرا اور اپنے آپ کو چھپایا۔ اب فوج گورہ اور سکھ سرکار (انگریزیہ) کی پہاڑوں پر سے اُتری اوّلاً دونوں جانب سے ایک ایک باڑھ بندوقوں کی سر ہوئی آپس میں فریقین کے کچھ آدمی مارے گئے پھر دفعتاً تلنگوں (مجاہدین) کا وہ حصۂ فوج جو لڑ رہا تھا۔ جنوب کی جانب ہٹنا شروع ہوا اور متفرق بندوقوں کی آوازیں ہٹنے میں کرتے جاتے تھے۔ فوجِ سرکار بڑھتی جاتی تھی اور ان کو دباتی جاتی تھی جب یہ لڑنے والے اُس حصّہ کے قریب پہونچے جو گھات میں بیٹھا ہوا تھا تب اس پلٹن کے صوبیدار نے بگل بجایا جس سے اس کا وہ حصۂ فوج جو مقابل میں لڑتا ہوا ہٹتا آتا تھا یکبارگی یمین و یسار کو ہٹا چونکہ فوج انگریزی سامنے تھی۔ وہ حصۂ فوج تازہ دم تھا اس نے کھڑے ہو کر ایک باڑھ بندوقوں کی چلائی اس میں فوجِ سرکاری کا نقصان زیادہ ہوا۔ مگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہے اور مدد پہاڑوں سے اُن کو آگئی اور دونوں طرف کی فوجیں اپنے اپنے اصلی مرکز پر واپس آگئیں۔ یہ قواعد دال فوج سرکار انگریزوں کی نہایت عمدہ تھی"[1]

---

[1] کنز التاریخ صفحہ ۴۱۳ مولفہ مولوی رضی الدین بسمل بدایونی۔ یہ کچھ مولوی رضی الدین پر ہی موقوف نہیں عام طور پر انگریزوں کے خوف سے لوگ مجاہدین کو نمک حرام۔ باغی۔ کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ بقیہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

جنرل بخت خاں کے آنسو

جنرل بخت جس وقت دہلی پہنچے مجاہدین مختلف ٹکریوں میں بٹے ہوئے دادِ شجاعت دے رہے تھے لیکن اُن میں مرکزیت کا فقدان تھا۔ جنرل بخت خاں نے فوجی اور شہری معاملات میں یکسوئی اور یکسانیت پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی۔ بات یہ تھی کہ بدنصیب شاہی خاندان کے افراد اپنی قبر آپ کھودنے کے واسطے بے چین تھے اور قدم قدم پر موقع پرست افراد مثل حکیم احسن اللہ خاں میرزا الٰہی بخش، بیگم زینت محل شہزادہ مغل مرزا بادشاہ کے کان جنرل بخت خاں اور مجاہدین کے خلاف بھرتے رہتے تھے اور نتیجہ کے طور پر اَن گنت مشکلات مجاہدین کی راہ میں پیدا ہو جاتی تھیں ایک موقع پر توان حرکتوں کو دیکھکر جنرل بخت خاں جیسا مردِ مجاہد وفورِ جذبات میں رونے لگا۔

ذیل میں ہم عبداللطیف کے روزنامچہ ۱۸۵۷ء کے چشم دید حالات درج کرتے ہیں جن سے دربار کی ریشہ دوانیوں کا ہلکا سا اندازہ ہو سکے گا۔

۲۷ مئی[۲] ۱۸۵۷ء صفحہ ۱۲۹

بخت خاں لشکر کے دوسرے سرداروں کا مجمع اپنے ساتھ لائے۔ وہ سمجھتے تھے

۱؎ عبداللطیف کے روزنامچہ کے مطابق نصیرآباد کے جوانوں نے ۲۸ جون ۱۸۵۷ء کو یہ جنگ لڑی تھی وہ لکھتا ہے "کچھ دن چڑھے نصیرآباد کے لشکر نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سپہ گری کا حق ادا کر دیا اور آج دن چڑھے دو سو اہل نجیب آباد مولوی رحمت اللہ کیرانوی کی قیادت میں پہونچے اور آمادۂ پیکار ہوئے۔ ۳۰ جون صفحہ ۱۴۲

۲؎ یہ تاریخیں کچھ غلط معلوم ہوتی ہیں اور ان میں ایک ماہ کا فرق محسوس ہوتا ہے کیونکہ بخت خاں ۹ جون تک تو متفقہ طور پر روہیلکھنڈ میں موجود تھے۔ یہ روزنامچہ غدر کے بعد ترتیب دیا گیا ہے۔ غالباً چھوٹی چھوٹی تحریری اور زبانی یادداشتوں سے مدد لیگئی ہوگی اسلئے ایک ماہ کا فرق ہو جانا بعید از قیاس نہیں ہے۔

کہ بادشاہ اور اُمراء خفیہ طور پر انگریزوں کے ساتھ مہر ووفا پر آمادہ ہیں اور اُن کے حامی ہیں۔ اس بنا پر وہ فکرمند تھے اور اُن کی دیکھ بھال کے لئے بیٹھ گئے۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ دیکھا کہ شاہزادوں اور امیرزادوں کو لشکر کا سردار بنائیں"

جب بادشاہ سے جنرل بخت خاں، نے انتظامات لڑائی پہاڑی دھیرج اور سپاہیوں کے جوش وخروش کا ذکر کیا تو بادشاہ نے لوگوں کے کان بھرنے اور طبعی کمزوری کی وجہ سے جواب دیا کہ

"شہسوار اور ہوتے ہیں اور گدھے دوڑانے والے دوسرے ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لومڑی لڑائی کیا لڑے گی"

بادشاہ کے اس غیر متوقعہ جواب پر مردِ مجاہد جنرل بخت خاں وفورِ جذبات سے رونے لگے اس ضمن میں عبداللطیف کے الفاظ یہ ہیں :۔

"بخت بلند خاں رونے لگے اور بولے کہ بادشاہ کو سایۂ خدا کہتے ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں اُن کی دُعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور جو دُعا کرتے ہیں وہ مقبول ہوتی ہے اور جو کچھ کہتے ہیں وہ ہو کر رہتا ہے (شاہی کا غلط تصوّر) ہماری تمنّا ہے کہ بادشاہ کی دُعا لشکر کے واسطے سپر ہو۔ یہ سن کر بادشاہ نے یہ آیت پڑھی: نصرٌ من اللہ وفتحٌ قریب"

باب (۷)

حکومتِ روہیل کھنڈ کا استحکام

جس وقت نواب خان بہادر خاں نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ پورے مُلک میں شدید انتشار پھیلا ہوا تھا۔ ہر طرف بدامنی کا دور دورہ تھا لیکن نواب خان بہادر خاں نے علاقہ روہیل کھنڈ کو بہت جلد امن و امان کی دولت سے ہم کنار کر دیا۔

"اس دوران میں کثرت سے شادی بیاہ اور دوسری تقریبات ہوئیں اور اُن میں کسی قسم کی بے اطمینانی یا انتشار نہیں پایا جاتا تھا ہر چیز ارزاں اور بہتات سے تھی۔ گرانی کا کہیں ذکر نہ تھا۔"

"خان بہادر کے زمانۂ حکومت میں پورا شہر رات بھر جاگتا تھا۔ بازار کھُلے رہتے سڑکوں اور گلی کوچوں میں بڑی رونق اور چہل پہل رہتی تھی مکمل امن و امان تھا۔ لوگ نواب کی انتظامی قابلیت اور رعایا پروری

کے بڑے مدّاح تھے۔ مسجدیں، مسافر خانے اور سڑکیں تعمیر ہورہی تھیں امن وامان کی ڈونڈی پیٹتے تھے۔ ہر چیز ارزاں ہوگئی۔ تیل روپیہ کا پانچ سیر۔ گھی روپیہ کا ڈھائی سیر اور گیہوں بیس سیر کے حساب سے فروخت ہورہا تھا۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں کوئی تقریب نہ ہوئی ہو۔ لوگ خوش ہوہو کر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے اور کہتے کہ "خدا نے اپنی رحمت سے کافروں کی حکومت سے ایسی نجات دلائی کہ ہر چیز میں برکت ہوگئی ہے"۔

"اسلحہ سازوں کی دکانوں پر بڑی بھیڑ رہتی تھی۔ تلواروں پر دستے چڑھوائے جاتے۔ مجاہدوں کے غول کے غول زرہ بکتر سے لیس پورے شہر میں گھوڑوں پر سوار ہوکر نکلتے اور "اسلام کا بول بالا فرنگی کا منہ کالا" کے نعروں سے زمین و آسمان دہل جاتے تھے"؛

انگریز کا بیان

حقیقی کیفیت تو یہ تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ مسلمانوں کی قوم ہمیشہ سے جذباتی واقع ہوئی ہے لہٰذا اُن میں بے پناہ جوش وخروش پیدا ہوجانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اب ذرا اردو ہیل کھنڈ گزیٹر کی بیان کردہ رُوداد بھی ملاحظہ کیجئے:

ا؎ ۱۸۵۷ء کے ہیرو از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی ص۳

"ضلع میں مکمل انتشاری کیفیت طاری تھی اس (خان بہادر) کو بغیر روپیہ اور فوج ملک پر کوئی اقتدار حاصل نہ تھا۔ اس نے مجسٹریٹ کے ایک کلرک سوبھارام کو اپنا دیوان مقرر کر لیا تھا اور آٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک کمیٹی ابتدائی مقدمات طے کرنے کے واسطے مقرر کی۔ جملہ اضلاع میں تھانیدار تحصیلدار اور پولس افسر تعینات کیے اس نے ملٹری کمانڈ مقرر کی لیکن نواب کی خاص مشکل سرمایہ کی کمی تھی۔ زمینداروں سے قطعی آمدنی نہیں ہو رہی تھی۔ شہریوں پر ٹیکس عائد کیا گیا جس سے اٹھائیس ہزار روپے وصول ہوئے۔ بقیہ رقم بیجناتھ اور لچھمی نرائن خزانچی سے وصول ہوئی۔"

"جب ۲۱ جون ۱۸۵۷ء کو اس کے ناظم مقرر کیے جانے کا شاہی فرمان صادر ہوا تو اس کے ہاتھ اور مضبوط ہو گئے۔ شاہی فرمان کے اثر سے اس کی حاکمیت مسلمانوں اور شہروں میں تسلیم کر لی گئی۔ لیکن تحصیل فرید پور اور نواب گنج کے ٹھاکر مکمل آزاد رہے نواب خان بہادر خاں نے ان کو ہم نوا بنانے کے واسطے بڑی اولوالعزمی کا مظاہرہ کیا اور کسی حد تک وہ اس مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے۔ ٹھاکر جیمل سنگھ کیارا اس کا زبردست حامی تھا اور ہندوؤں کو نواب کی حمایت میں لانے کے سلسلہ میں اس کا

زبردست ہاتھ تھا۔ خان بہادر خاں نے جنگھارا راجپوتوں کی ایک رجمنٹ بھی تیار کی تھی۔ ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ کو راجہ بنایا گیا اور تحصیل فرید پور کا ناظم مقرر کیا گیا۔

"خان بہادر خاں کی فوج ۱۹ کیولری کا رپس کے ۴۶۱۸ آدمیوں (سب قسم کے) ۵۷۶ انفینٹری کے ۲۴۳۳۰ آدمیوں اور ۴۰ توپوں پر مشتمل تھی۔ اس فوج کا خرچ تقریباً دولاکھ پینسٹھ ہزار روپے ماہانہ تھا۔" ؎۱

؎۱ خان بہادر خاں کی فوج کے عام سپاہیوں کو پانچ۔ چھ اور سات روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی ۱۸۵۷ء سپاہیوں کی بغاوت از آر۔ سی۔ مجمدار۔ بحوالہ ڈائری درگا داس بنگالی قلمی

باب (۸)

نوابؔ کا حُسنِ انتظام

مندرجۂ بالا واقعات انگریزوں نے انتہائی مجمل اور طنزیہ انداز میں مُرتب کئے تھے تاہم یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ

۱۔ نواب ایک باضابطہ ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

۲۔ نواب خان بہادر بڑی سوجھ بوجھ کے آدمی تھے انہوں نے بجا طور پر فراہمیِ سرمایہ کی مہم شروع کی تھی کیونکہ بھوکی فوج اور تباہ حال باشندوں سے بڑی اُمیدیں وابستہ کرنا عقلمندی کی بات نہیں تھی۔

نواب اپنے منصوبوں میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے تھے چنانچہ بریلی بریگیڈ جو دہلی گیا تھا اس کے متعلق مولوی ذکا اللہ لکھتے ہیں:۔

"سپاہ میں سب سے اچھی حالت بریلی بریگیڈ کی تھی جس نے ۶ ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دی تھی اور اس کے سالار کے پاس ۴ لاکھ روپیہ بھی تھا۔"

نواب نے ایک مکمل ٹکسال قائم کی۔ علاقے میں پولس تھانہ وعدالتیں قائم کرکے امن وامان قائم کیا۔

نواب خان بہادر خاں کا ہندوؤں کے ساتھ سلوک برادرانہ اور منصفانہ تھا۔ یہاں تک کہ خالص ہندوؤں پر مشتمل ایک فوج بھی قایم کردی جیسا کہ بریلی گزیٹر کے حوالے سے ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔

انگریزوں کی چالیں

انگریزوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف ڈالنے کی منظم کوششیں شروع کردی تھیں۔ ابتداءً اُن کو شدید ناکامی کا سامنا ہوا اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل خط وکتابت قابل غور ہے:۔

منجانب جارج کوپر صاحب کمشنر اودھ

بخدمت جی۔ ایف ایڈمینسٹن سکریٹری حکومت ہند

لکھنؤ یکم دسمبر ۱۸۵۷ء

جناب عالی!

بہ سلسلہ مکتوبات چیف کمشنر بنام گورنر جنرل بہادر مورخہ ۱۴ ستمبر جس میں انہوں نے پچاس ہزار کی رقم بریلی کی ہندو آبادی کو مسلمان باغیوں کے خلاف آمادۂ پیکار کرنے پر صرف کرنے کی اجازت دی ہے۔ مجھے کپتان گون کے خط مورخہ ۱۴ ستمبر کا اقتباس پیش کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جس سے حضور والا کو یہ علم ہوگا کہ یہ کوشش ناکام رہی اور اس کو ترک کردیا گیا اور اس پر کوئی رقم صرف نہیں ہوئی۔

آپکا خادم جارج کوپر سکریٹری چیف کمشنر عالم باغ یکم دسمبر ۱۸۵۷ء

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

عدل و انصاف نواب خان بہادر خاں کی ساری عمر قانونی موشگافیوں میں گذری تھی لہٰذا انہوں نے عنان اختیار سنبھالتے ہی عدل و انصاف کا معیار بلند کرنے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل واقعہ قابل غور ہے:۔

"کسی ذاتی اختلاف کی بنا پر میر عالم خاں جو خان بہادر خاں کے رشتہ دار تھے بلدیو گر گسائیں کے گھر پر حملہ آور ہوئے۔ ذاتی مدافعت کرتے ہوئے گسائیں نے میر عالم خاں کو قتل کر ڈالا۔ گسائیں کے خلاف مقدمہ چلا اور مفتی نے گسائیں کو بری کر دیا" ؎۱

نواب خان بہادر خاں کے حسن انتظام کے متعلق پروفیسر خلیق نظامی لکھتے ہیں:۔

"روہیلہ سرداروں میں خان بہادر خاں اور نواب محمود خاں نے بڑی جوانمردی سے تحریک میں حصہ لیا۔ ۱۸۵۷ء میں خان بہادر کی عمر ستر سال سے زائد تھی انہوں نے بریلی کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لیا اور انگریزوں کے خلاف اپنی طاقت کا استحکام کیا" ؎۲

؎۱ (پچھلے صفحہ کا) ؎۲ مقدمہ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ از پروفیسر خلیق نظامی

؎۲ دیکھو صفحہ ۳۴۹ تاریخ جنگ آزادی مرتبہ سین۔

باب (۹)

اضلاع کی حالت

حکومت روہیل کھنڈ بریلی کے علاوہ شاہجہانپور۔بدایوں۔ آنولہ۔مُرادآباد امروہہ۔پیلی بھیت اور ملحقہ علاقوں پر محیط تھی۔مغربی روہیل کھنڈ یعنی نجیب آباد۔ ہردوار۔ دھام پور۔ نگینہ وغیرہ علاقوں پر جنرل محمود خاں کا اقتدار تھا۔ اُن کا اور نواب خان بہادر کا اشتراک عمل یقیناً ہوگا لیکن واضح شہادتیں موجود نہیں ہیں البتہ کسی قسم کے اختلاف کی بھی سند نہیں ملتی ہے۔۔۔ یہ بات بار بار مشاہدہ میں آئی ہے کہ عام مجاہدین کی ٹولیاں ہر علاقے میں رواں دواں پھر رہی تھیں۔ذیل میں ہم علاقہ وار کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہنگامۂ آزادی کے حالات وکوائف پیش کرنے کی کوشش کرینگے۔

قصبۂ آنولہ یہ قصبہ روہیلوں کا دارالحکومت تھا۔ نواب علی محمد خاں کی نظر آنولہ پر اس لئے پڑی کہ اُس کی جائے وقوع بہترین تھی۔ اُس وقت کی جنگی مصالح کے تحت آنولہ کے قریب کے جنگلات اور ندی نالے دفاع کے لحاظ سے بہترین مامن

قرار دیئے جاتے تھے۔ روہیلوں نے جب اس جگہ کو اپنا دارالحکومت بنایا تو یہاں کی رونق بہت بڑھ گئی۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناں اور روہیلوں کا بڑا قریبی ربط تھا آپ اُن کی تربیت روحانی کی غرض سے اکثر روہیل کھنڈ تشریف لاتے تھے اور آنولہ میں کافی عرصہ قیام فرماتے تھے۔ ان بزرگوں کی فیض صحبت کے نتیجہ میں صرف آنولہ میں سترہ سو عالی شان مساجد سے کلمۂ تکبیر بلند ہونے لگے۔ یہ مساجد آج بھی دورِ ماضی کا ماتم کر رہی ہیں [1]

بریلی کی فوجی بغاوت کی خبریں جونہی قصبہ میں موصول ہوئیں کثیر تعداد میں مسلمان بریلی روانہ ہونے لگے تاکہ وہاں پہونچکر جہاد میں شریک ہوسکیں۔ خاص قصبہ میں نواب کلن خاں بنیرہ بخشی سردار خاں [2] نواب خان بہادر خاں کے نائب مقرر ہوئے۔ نواب کلن خاں کے خاص شرکاءکار مولوی حکیم سعید اللہ۔ مولوی محمد اسمٰعیل غالب علی خاں اور شیخ خیر اللہ تھے۔ غالب علی خاں بڑے با اثر اور حاتم صفت روہیلہ سردار تھے۔ جب شہزادہ فیروز شاہ قصبہ سے گذرے تو غالب علی خاں نے شہزادہ اور اس کے ساتھی کئی ہزار مجاہدین کی دعوت کی۔ شہزادہ دو دن آنولہ میں مقیم رہا اور اہل قصبہ کے سامنے بڑی معرکۃ الآرا تقاریر جہاد کے موضوع پر کیں۔ شہزادہ کی عارضی قیام گاہ آج بھی شہزادہ کا ٹکر کہلاتی ہے۔

---

[1] مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط مرتبہ پروفیسر خلیق انجم دہلی

[2] بخشی سردار خاں بڑے معرکہ کے بزرگ تھے حافظ رحمت خاںؒ کے ساتھ جنگی معرکوں میں شریک رہے اور آخر وقت تک انتہائی عزت و احترام کے ساتھ اپنی حیثیت پر قائم رہے۔

شیخ خیر اللہ بڑے معرکہ کے آدمی تھے۔ انولہ کے ٹھاکروں نے جب قومی عزائم میں رکاوٹیں کھڑی کیں تو اُن کو راہِ راست پر لانے والی شخصیت شیخ صاحب کی ہی تھی۔ آنولہ کے مجاہدین میں حکیم سعید اللہ نے اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ نام پیدا کیا۔ وہ شہزادہ فیروز شاہ کی معیت میں فرخ آباد کی جنگ آزادی میں شریکِ جدال و قتال رہے۔ انہوں نے بریلی کے آخری مقابلہ میں بھی دادِ شجاعت دی۔ جب جنگ آزادی ناکام ہوگئی تو مدتوں مولوی گلزار علی امروہوی کے ساتھ پوشیدہ رہے۔ فتوئے جہاد کی نشر و اشاعت میں مولانا کافی شہید سے مکمل تعاون کیا۔

جب عام معافی کا اعلان ہوا تو ظاہر ہوئے اور کافی عرصہ تک حیاتِ دنیوی کی نیرنگیاں دیکھ کر ۱۹۰۷ء میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ اپنے والد حکیم عظیم اللہ کے ہم پہلو عبد اللہ شاہ کے تکیہ آنولہ میں مدفون ہیں[۱]

آنولہ کے ناظم نواب کلن خاں کے متعلق حکیم عبد الغفور (ف ۱۴ اگست ۱۹۶۲ء) مؤلف سوانحات المتاخرین آنولہ لکھتے ہیں:-

---

[۱] حکیم سعید اللہ صاحب نے صرف ایک فرزند مولوی رحیم بخش یادگار چھوڑے جو عجیب دل و دماغ کے مالک تھے نہایت عقیل و فہیم تھے انکے فہم و فراست کے بہت سے واقعات قصبہ آنولہ میں زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ مولوی رحیم بخش صاحب مئی ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے اور فروری ۱۹۲۰ء میں انتقال ہوا۔ میاں رحیم بخش کے ایک صاحبزادے مولوی میاں مشیت اللہ قادری تھے میاں صاحب ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے اور ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۹ء دادو (مغربی پاکستان) میں انتقال ہوا۔ بڑے مرنجان مرنج بزرگ تھے تاریخ و انساب پر بڑی گہری نظر تھی روہیلکھنڈ کی تاریخ پر تو عالمانہ دسترس تھی تمام زندگی حیات و تجارت میں گزاری۔ میاں صاحب کے تین صاحبزادے (۱) محمد ایوب قادری (۲) عنایت اللہ صاحب (۳) محمد نعمت اللہ قادری و چار صاحبزادیاں موجود ہیں

"نہایت شکیل و جمیل اور سجیلے جوان تھے۔ راقم الحروف نے اُن کو بڑھاپے میں دیکھا۔ نمازی تھے"۔

پیلی بھیت[۱]

میرٹھ اور بریلی میں جس وقت عَلَمِ جہاد بلند ہوا۔ پیلی بھیت کا نائب حاکم جو ایک انگریز تھا وہ اس وقت نینی تال گیا ہوا تھا جب اس کو اس ہنگامہ کی اطلاع ہوئی تو فوراً واپس آیا۔ اس زمانہ میں پیلی بھیت ضلع بریلی کے کلکٹر کے تحت تھا اس نے اپنے نائب مسٹر کارمیچل کو مخصوص اختیارات تفویض کر دیئے تھے چنانچہ اس نے پولیس فورس اور سواروں میں خاصہ اضافہ کر دیا۔ اسی دوران میں عید کا دن آگیا۔ مجاہدین نے اس روزِ سعید کا بہترین مصرف نکالا اور شہر کی جملہ مساجد کی دیواروں پر بڑے بڑے اشتہارات چسپاں کر دیئے جن میں عوام کو جہاد کی تلقین کی گئی تھی۔

انگریزوں نے یہ اشتہارات اُکھڑوا دیئے اور ہتھیار لے کر چلنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی۔

---

[۱] پیلی بھیت روہیل کھنڈ کا مشہور شہر ہے۔ یہ شہر زیادہ قدیم نہیں ہے البتہ اس کے قریب یول نام کی بستی کے کھنڈرات ہیں سے اس علاقے کی قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پیلی بھیت کا قدیم نام دلیت۔ موجودہ نام بنجاروں کی ایک شاخ بیریا سے مشتق ہے جنکی یہاں کثیر تعداد آباد ہے۔ پائندہ خاں نے جو علی محمد خاں کے تحت ایک سردار تھا پیلی بھیت پر قبضہ کیا۔ اس کا دوپت بنجارہ سے خوب خوب مقابلہ ہوا۔ ۱۷۵۴ء میں حافظ رحمت خاں نے اس جگہ کو اپنا مستقر قرار دیا اور حافظ آباد نام رکھا محلسرائیں بازار مدرسے حمام تعمیر کرائے ۱۹۵۶ء میں راقم پیلی بھیت حضرت شاہ محمد شیر میاں پیلی بھیتوی کے مزار پر حاضر ہوا۔ حافظ رحمت خاںؒ شہید کا بنوایا ہوا کھکرا دریا کا پُل۔ مسجد جامع اور شہر پناہ کے کھنڈرات اب دورِ رفتہ کی یادگار ہیں۔ ۱۹۵۰ء میں جو قیامت خیز ہندو مسلم فساد ہوا تھا اُس میں مسلمانوں کا اس شہر سے

یکم جون ۱۸۵۷ء کو سقوط بریلی کی خبریں سُن کر مسٹر کار میچل نائب حاکم پیلی بھیت گھبرا گیا اس نے اپنے بیوی بچے" فوراً نینی تال روانہ کر دیئے اور خود اطمینان کے ساتھ معاملات کو سُدھارنے کی کوشش کرنے لگا۔

قوم کی بدبختی ملاحظہ ہو کہ اس نصرانی کی مدد کرنے کے واسطے مسلمان اہلکار ہی مستعد ہو گئے۔ تحصیلدار امیر علی۔ محمود حسن پیشکار۔ عبداللہ خاں کوتوال ہر طرح ممد و معاون ثابت ہوئے۔ اس چالاک حاکم نے خزانۂ پیلی بھیت ان ہی معززین کے حوالہ کر دیا اور روپیہ کی آڑ میں جملہ انگریز عہدیداران مع متعلقین و متوسلین بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس ساری کارروائی میں مندرجۂ بالا افراد کے علاوہ ایک شخص سکاریار خاں (غالباً نام کے تلفظ میں کچھ غلطی مُصنّف گزیٹر سے۔۔۔ہو گئی ہے) پیش پیش رہا۔ انگریزوں نے اس کو تحصیلدار کا عہدہ عطا کیا لیکن ایک مجاہد نے برسرِ اجلاس قتل کر کے غداری کا مزا چکھا دیا۔

مندرجۂ بالا واقعات کے سلسلے میں ہمارا واحد ماخذ گزیٹر پیلی بھیت ہے۔ مُصنّف گزیٹر نے واقعات کو بُری طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اس ذریعہ کے علاوہ ہمکو ایک نایاب خاندانی کتابچہ دستیاب ہوا ہے جس میں کچھ مزید واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

• (بسلسلہ صفحۂ گزشتہ) بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا۔ پریشانی کے عالم میں بعض مسلمانوں کے گروہ ریاست نیپال میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے۔ یہ صورت میری حقیقی ممانی اور ان کے خاندان کے ساتھ بھی پیش آئی تھی۔ اب مسلمانوں کی آبادی محلہ درگاہ شیر محمد اور دو ایک محلوں تک محدود ہو گئی ہے۔

دیکھو حاشیہ وقائع عبدالقادر خانی جلد اوّل

مرتبہ محمد ایوب قادری - ایم - اے۔

مختصر روداد حسب ذیل ہے :-

"۶ر جون ۱۸۵۷ء کو بیلی بھیت میں ہنگامہ شباب پر پہنچ چکا تھا۔ مسٹر بربیر اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اہنار بھاگ کر مقصدی کے پاس پہنچے اس شخص نے اس انگریز اور اس کے خاندان کو بیلی بھبیت کے ایک معزز باشندہ عبدالرحمٰن خاں کے سپرد کر دیا۔ جب عوام کو معلوم ہوا کہ کچھ انگریز عبدالرحمٰن خاں کے یہاں روپوش ہیں تو ایک اژدہام اُن کے گھر کے پاس جمع ہوگیا!"

عبدالرحمٰن خاں پُرانی قسم کے پٹھان تھے اور پناہ مانگنے والوں کو عوام کے سپرد کرنے پر قطعی تیار نہ ہوئے۔ اس نادان انگریز دوست کے ساتھ خاصی قوت بھی تھی اس لئے شہر بیلی بھیت پر کامل قبضہ رکھنے کے باوصف نواب خان بہادر خاں نے عبدالرحمٰن خاں پر ہاتھ ڈالنا مناسب نہ سمجھا۔ خدا جانے کس قسم کے حالات سے نواب خان بہادر خاں دوچار تھے کہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی درست اقدام سے پہلوتہی کرنے پر مجبور رہے۔ یہ ہی صورت نواب رام پور کے معاملہ میں بھی پیش آئی تھی۔

عبدالرحمٰن خاں نے عوامی مظاہرہ سے گھبرا کر انگریز پناہ گزینوں کو شیر پور کے زمینداروں کے حوالے کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ ان انگریزوں کی طمانیت قلب کی خاطر اپنے دو بھائی فخرالدین خاں اور غلام ربانی خاں بھی ساتھ کر دیئے۔ واضح رہے کہ عبدالرحمٰن خاں نے یہ قدم اُس وقت اُٹھایا جب ناظم بیلی بھیت نے عبدالرحمٰن خاں کو الٹی میٹم دے دیا کہ

"یا تو مجاہدین کا ساتھ دو ورنہ تمہارا یہ فعل غیر دوستانہ سمجھا جائیگا"

انگریزوں اور اپنے بھائیوں کو نواحی علاقے میں محفوظ جگہ بھجوا دینے کے بعد عبدالرحمن خاں مجاہدین کا شریک ہو گیا اور حاکم پیلی بھیت بننے کی جدوجہد شروع کردی۔ یہ امر بے حد قابل افسوس تھا کہ ایسا ذی اثر اور معزز شخص غیروں کا ہمدرد بن چکا تھا اس حقیقت کو بُری طرح محسوس کرتے ہوئے شہر کے چند دردمند اور معزز اشخاص مثل کریم اللہ خاں عبدالرشید خاں وغیرہم عبدالرحمن کے قلب کو جہادی روح سے ہمکنار کرنے کی جدوجہد کرنے لگے لیکن وہ ناکام رہے۔

اس ڈرامہ کا انجام یہ ہوا کہ عبدالرحمن خاں کے حقیقی چچا بشیر خاں[1] اپنے ذاتی اثر اور یقین دہانی کی بنا پر نواب خان بہادر خاں سے اس امر کا پروانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ انگریز اُن کے گھر قید رہیں۔

جب ذرا سکون ہوا تو ان لوگوں نے قیدی انگریزوں کو نینی تال بھجوا دیا۔ اس خدمت کا صلہ انگریزوں نے بہت ہی معمولی دیا۔ عبدالرحمن خاں اور بشیر خاں کو

---

[1] بشیر خاں کے نام پر آج بھی پیلی بھیت میں "گھیر بشیر خاں" موجود ہے۔ اس خاندان کے ایک فرد پیارے میاں نامی ابھی حال میں گزرے ہیں جو اپنی صحت جسمانی۔ خوبصورتی اور پہلوانی میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ ریاست رام پور کے مشہور کُشتی کے اُستاد سہراب خاں اکثر پیارے میاں کے مہمان ہوتے تھے۔ میں نے بڑھاپے میں اُن کو دیکھا تھا واقعی بڑے حسین آدمی تھے۔

بحوالہ کتابچہ حالات خاندانی عبداللہ خاں بمعہ نقول اسناد عطا کردہ افسران انگریزی مطبوعہ پر بھو دیال پریس باسٹیم پریس ۱۹۱۵ء

پانچ ہزار روپیہ سالانہ کی زمینداری بطور انعام ملی۔ عبدالرحمٰن خاں کو آنریری مجسٹریٹ کا اعزاز دیا گیا جو اس زمانے میں بہت بڑی چیز تھی۔

بدایوں بدایوں شمالی ہند کا مشہور اور قدیم شہر ہے۔ سیّد سالار مسعود غازی کے مفتوحہ مقامات میں سے ہے۔ شمس الدین التمش یہاں کا گورنر تھا اس کی یادگار مسجد شمس آج بھی مرجعِ خلائق اور سلطانؒ کے خلوص نیت کی آئینہ دار ہے۔ سلطان سیّد علاء الدین نے تخت دہلی کو لات مار کر بدایوں میں قیام فرمایا تھا یہاں کا ہر محلہ اور ہر گلی اہل علم کا مرکز رہے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ یہاں کی زمین بڑی مردم خیز ہے۔

قدرتی طور پر ضلع بدایوں میں بھی جنگِ آزادی کا خاصہ زور رہا۔ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو ہنگامہ کی ابتدا ہوئی لیکن عملاً شہر میں بہت حد تک سکون رہا صرف دیہات میں اکا دکا قتل کی وارداتیں ہوتی رہیں مسٹر ایڈورڈس مجسٹریٹ وکلکٹر ضلع بدایوں بہت جہاندیدہ شخص تھا اس کی دوربین نگاہ نے ہنگامۂ آزادی کے حقیقی اسباب وعلل کا کیا خوب جائزہ لیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ لکھتا ہے:-

"پچھلے بارہ پندرہ سال میں ایسے نیلام بکثرت ہوئے اور تحصیل مالگذاری کے ایسے طریقے جاری ہوئے کہ ملک کے رئیس برباد ہو گئے۔ اور دیہات کے جتھے ٹوٹ گئے"

لہ بحوالہ کنز التاریخ از مولوی رضی الدین بدایونی

۲۵ مئی ۱۸۵۷ء عید الفطر کا یوم سعید تھا۔ لوگوں نے کلکٹر کو باور کرایا کہ آج مسلمان ہنگامہ ضرور کریں گے۔ لہٰذا اس نے تمام مسلمان روساء کو خاص عید کے دن اُس وقت تک اپنی کوٹھی میں روکے رکھا جب تک کہ نماز کا وقت نکل نہیں گیا۔ ۲ جون تک جوائنٹ مجسٹریٹ پر قاتلانہ حملے کے سوا اور کوئی واردات نہیں ہوئی۔ اس تاریخ کو مجاہدین کا لشکر بدایوں پہونچا۔ قیدی آزاد کئے گئے۔ خزانۂ سرکاری پر مجاہدین کا قبضہ ہو گیا۔ مجسٹریٹ ضلع شیخ شرف الدین زمیندار کے ذریعہ سے ضلع فرخ آباد نکل گیا اور وہاں سے نواح ہردوئی میں پناہ گزین ہوا۔

۱۷ جون ۱۸۵۷ء کو نواب خان بہادر خاں نے عبد الرحمن کو ناظم بدایوں اور شیخ فصاحت اللہ وکیل کو نائب ناظم مقرر کیا۔

ان ہی تاریخوں میں غیر مسلم دیہات کے ایک بہت بڑے گروہ نے بدایوں پر حملہ کر دیا لیکن شہریوں کی قابل تعریف استقامت اور حوصلہ مندی کی وجہ سے حملہ آور سیکڑوں لاشیں چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ عبد الرحمن خاں نے سابقہ انگریزی ملازمین کو بحال رکھا۔ مولوی تفضل حسین، مولوی اشرف علی اور منشی محمد حسین پنشنر تحصیلدار کو ڈپٹی کلکٹر بدایوں مقرر کیا۔ منشی ذو الفقار الدین سررشتہ دار فوجداری کو ڈپٹی مجسٹریٹ بدایوں اور مولوی رضی اللہ کو تحصیلدار بسولی مقرر کیا۔ سیف اللہ خاں تحصیلدار گنور کو فوجی عہدہ دیا گیا۔

لہ تفصیلات کے واسطے دیکھو بدایوں کا جہادِ حریت از مولوی سلیمان بدایونی و کنز التاریخ از مولوی رضی الدین بدایونی

ستمبر ۱۸۵۷ء ناظم بدایوں تبدیل کر دیا گیا۔ محمد یار خاں نئے ناظم کا تقرر عمل میں میں آیا۔ اُن کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ ٹھاکروں کی سرکوبی کا تھا جو ضلع کے طول و عرض میں ہنگامہ بپا کئے ہوئے تھے۔ جنرل نیاز محمد خاں نے ٹھاکروں کے کچلنے میں بڑی بہادری و دلیری دکھائی۔ ایک بہت سرکش اور جابر شخص ٹھاکر ظالم سنگھ جنرل موصوف کے ہاتھوں مارا گیا۔ اُسہت اور سہسوان کے ٹھاکروں کو بھی قومی مفاد سے غدّاری کرنے پر قرار واقعی سزا دی گئی لیکن یہ لوگ برابر انگریزوں سے نامہ و پیام کرتے رہے۔

انگریزوں نے یہ کوشش کی کہ کسی صورت میں مجاہدین کو بیرونی علاقوں سے مدد نہ مل سکے۔ اس کام کے واسطے چھوٹے بڑے زمینداروں کو استعمال کیا گیا۔

"حاجی داؤد خاں شروانی نے باغیوں کو قابو میں رکھا۔ اس کے واسطے رنگروٹوں کا انتظام کیا گیا۔ گنگا کے گھاٹوں پر سرکاری عملہ کو مدد دی تاکہ بریلی و بدایوں کے بلوائی اس طرف نہ آنے پائیں۔" [۱]

نواب صاحب پہاسو ضلع بلند شہر کے احوال میں مرقوم ہے:۔

"خان بہادر خاں رئیس بریلی نے کہ نہایت مُفسد تھا اور شمال کی طرف بزعم جمعیت کثیر فساد برپا کر رکھا تھا اور

---

[۱] صفحہ ۱۴۳ شیروانی نامہ از مولوی عباس خاں شیروانی۔

SCANNED BY rekhta

مر شورش کا اُٹھا رکھا تھا جب وہ آمادہ عبور دریا ہوا اور چاہا کہ گنگا پار جا کر مفسدہ پھیلائے اپنی جرأت و ہمت دکھائے آپ نے حُسن تدبیر سے گنگ کے گھاٹوں پر ایسا عمدہ انتظام اور بندوبست کیا کہ اُن مفسدوں کو حوصلہ عبور کا نہ ہوا اور نواب صاحب (بہادر) نے اپنی فوج ہمراہی کو بھیج کر ۲۵ باغیوں کو مال و گھوڑوں سمیت گرفتار کر کے ضلع بلند شہر کو بھجوا دیا۔"

"واہ کیا اچھا کام کیا۔"

ان کارگذاریوں کے نتیجہ میں نواب صاحب (مہدی علی خاں رئیس پہاسو) کو محمد مظہر علی خاں و محمد رحیم علی خاں کی زمینداری Rs 11 617/- بطور مستاجری دی گئی نیز بطور انعام خلعت ہزار روپیہ۔ سند زمینداری دیہات ۴ ہزار مالگذاری و معافی چہارم حین حیات۔ اس کے علاوہ نواحِ دہلی و بجے پور میں وفاداری کا صلہ ۴ ہزار روپیہ کا خلعت اور میرٹھ دربار میں دو ہزار کا خلعت اور سند خان بہادری کی شکل میں ملا۔

۱؎ مظہر علی خاں اور محمد رحیم علی خاں کے خاندان کے بارے میں حسب ذیل تصریحات مرقع فیض سے دستیاب ہوئی ہیں جو مولوی عنایت علی بریلوی کی نایاب تصنیف ہے اور مطبع یوسفی دہلی سے عرصہ ہوا شائع ہوئی تھی۔

ضلع علیگڑھ کے لعل خانی جن کی اولادیں اکثر نوابین علیگڑھ ہیں کہ ایک نامور فرد دوندے خاں نے کمونہ میں بود و باش اختیار کی تھی۔ ان دوندے خاں کے تین بیٹے تھے (۱) رستم خاں (۲) محمد اشرف خاں (۳) مظہر علی خاں مظہر علی خاں کا بیٹا امام خاں ۱۸۵۷ء دہلی میں بحالت بغاوت مارا گیا۔ کل علاقہ اسکا سرکار میں ضبط ہوا۔ مظہر علی خاں نے ایک بڑی جمعیت بہم پہنچائی اور اپنے بیٹے امداد بہادر کو دہلی بھیجا۔ اسکے شریک

(اگلے صفحہ پر دیکھو)

ماہ جنوری ١٨٥٨ء میں جنرل نیاز محمد خاں نے انگریزوں کے زبردست فوجی مرکز فتح گڑھ پر حملہ کا پروگرام بنایا لیکن غداروں نے اس اہم فوجی منصوبہ کی تفصیلات کسی نہ کسی طرح انگریزوں تک پہنچا دیں۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ سر گرانٹ نے بروقت حملہ کرکے مجاہدین کو شدید جانی نقصان پہونچایا۔ اسی دوران میں قادر گنج کے پاس انگریزی فوج اور عبدالرحمن خاں کے درمیان پندرہ بیس دن تک زبردست مقابلہ ہوا۔ دونوں طرف کی توپوں نے خوب آتش باری کی۔ انگریزی فوج کے جمعدار غلام محمد خاں دو سو افراد کو لے کر مجاہدین کے ساتھ شریک ہو گئے۔ نواب خان بہادر خاں بدایوں کے موقف سے غیر مطمئن تھے اس لئے انہوں نے عبدالرحمن خاں کو معزول کر دیا اور مبارک شاہ خاں کو ناظم اور احمد شاہ خاں کو نائب ناظم مقرر کیا۔ ١٨ اپریل ١٨٥٨ء کو نواب خان بہادر نے بریلی سے تین سو افراد پر مشتمل ایک مضبوط فوجی دستہ ناظم بدایوں کی مدد کے واسطے بھیجا۔ ٢٧ اپریل ١٨٥٨ء جنرل پینی اور مسٹر ولسن نے نولی تاتار پور کے گھاٹ سے گنگا عبور کی اور اُن کے حکم سے کپتان گورن نے گنماله ضلع بدایوں سے ۳ میل دور گنگا عبور کی۔

اتفاقاً شہزادہ فیروز شاہ بھی بمعہ فوج اسی نواح میں آنکلا چنانچہ شہزادہ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رحم علی خاں۔ ہدایت علی خاں نتھے خاں۔ حرمت خاں تھے۔ اُمراؤ بہادر دہلی میں مارا گیا مظہر علی خاں کا مسکن موضع کھیلیا تھا۔ یہاں سے فرار ہو کر بریلی پہونچا اور شامل خان بہادر خاں باغی کے رہا۔ اور جب فوج سرکار انگریزی اس نواح میں پہنچی تو وہاں سے فرار ہو کر ترائی نیپال میں پہنچا اور وہیں فوت ہوا۔"

مجاہدین بدایوں کی مشترک افواج نے انگریزی فوجوں کا مقابلہ شروع کیا۔ ابتدائً دور سے توپیں چلتی رہیں۔ جب انگریزی لشکر قریب آگیا تو مجاہدین نے مشہور روہیلہ طرز جنگ اختیار کرتے ہوئے یکبارگی ہلّہ کر کے دشمنوں کو تلواروں پہ لے لیا۔ انگریز اس حملہ کی تاب نہ لا سکے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ اس ہنگامہ میں جنرل پینی مجاہدین کے ہاتھوں مارا گیا۔ لیکن اسی دوران میں تازہ دم انگریزی کمک آگئی اور بالآخر جیتی ہوئی بازی ہار میں تبدیل ہو گئی۔ اب حاکم بدایوں کے سامنے سوائے پسپائی اور کوئی چارہ کار نہیں تھا وہ سیدھا بریلی چلا گیا[۱]۔

ممتاز قائدین احرار مثل مولوی فیض احمد بدایونی۔ ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی وغیرہ حضرات احمد اللہ شاہ کے پاس شاہجہان پور چلے گئے اور شہزادہ فیروز شاہ نواب خان بہادر خاں کے لشکر میں شریک ہو گئے۔

---

[۱] اسی ضمن میں ایک دوسرا بیان یہ ہے کہ

۱۸ اپریل ۱۸۵۸ء کو نواب خان بہادر خاں نے فوجی کمک بدایوں بھیجی۔ اس دوران میں شہزادہ فیروز شاہ بھی ککرالہ پہونچا جو بدایوں کے بعد مجاہدین کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ انگریزی فوج نے نصف شب کو ایشری پرشاد وغیرہ جاسوسوں کی مصدقہ اطلاعات کی روشنی میں حملہ کیا اور ککرالہ سے ایک میل پر توپوں سے مقابلہ شروع ہوا۔ مجاہدین نے موقع پا کر انگریزی فوج کو تلواروں پر لے لیا۔ جنرل پینی انگریزی کمانڈر مارا گیا۔ جس وقت ککرالہ میں جنگ جاری تھی کہ میجر گارڈن نے مرادآباد سے دستہ فوج کی مدد سے نواب کے آدمیوں کو بسولی میں شکست دی لہذا نوابی فوج بدایوں کے دفاتر تباہ کر کے بریلی پسپا ہو گئی۔ اب انگریز ضلع پر چھا گیا۔

باب (۱۰)

ہنگامۂ دار و گیر

بدایوں میں انگریزوں نے اپنی سابقہ روایات کے تحت بڑے مظالم ڈھائے افسوس ہے کہ ہمارے پاس مکمل معلومات کا فقدان ہے تاہم کچھ واقعات مُشتے نمونہ از خروارے، درج ذیل ہیں :۔

مولوی علی رضا ایام ہنگامۂ آزادی ۱۸۵۷ء تحصیلدار تھے اسی جرم میں پھانسی پاکر شہید ہوئے۔ اُن کی اولاد میں مولوی محمد حسن مولوی عقیل احمد وکیل عدالت دیوانی اور مولوی طفیل احمد تھے۔

مولوی ماجد علی بھی تحصیلدار تھے اور شہید کئے گئے۔

مولوی کوثر علی یہ بزرگ قبل از جنگ آزادی سرشتہ دار کلکٹری تھے جب انگریزوں کا قبضہ ہوا شہر کے معززین کو گولی کا نشانہ اور پھانسی چڑھتے دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ صدمے میں انتقال ہو گیا۔

مولوی تفضل حسین بھی تحصیلدار تھے۔ ایام جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں تحصیلداری خیرخواہانِ سرکار کے فرائض ادا کیے۔ جائداد ضبط کرنے کے بعد گولی کا نشانہ بنائے گئے۔[۱]

چونکہ ٹھاکروں نے مجموعی طور پر مجاہدین کی سخت مخالفت کی تھی اس لئے انگریزوں نے اُن کو خوب نوازا ہیبت سنگھ اور ڈال سنگھ کو سہسوان کا تحصیلدار مُقرّر کیا گیا۔

دارا سنگھ کو بطور انعام اوجھیانی کا تحصیلدار مُقرّر کیا گیا۔

قندھاری سنگھ ٹھاکر بیلا ڈانڈی کو بدایوں کا تحصیلدار مُقرّر کیا گیا۔

ضلع بریلی کے چار ٹھاکروں کو بلسی کوٹ اور بسولی کا پولس افسر مقرر کیا گیا ببیتم سنگھ۔ پنجاب سنگھ۔ پرتاب برہمن۔ اندر سنگھ پختار سنگھ کو زرِ نقد اور زمینداری دی گئی۔ ہمت سنگھ۔ جگن ناتھ کوری کو موضع نگلہ شرقی انعام میں ملا۔ ہیرا سنگھ کو موضع گورگاؤں۔ اجیت برہمن کو موضع نظام آباد

مندرجۂ ذیل اشخاص کم درجہ پر نوازے گئے:۔

شیخ شرف الدین رئیس شیخوپور۔ ہرلال سنگھ۔ ہیبت سنگھ۔ ڈال سنگھ پرسرام وغیرہ۔

بدایوں کے شیوخ کے قبیلہ نے جو شیخوپور میں آباد تھا انگریزوں کی زبردست خیرخواہی کی۔ یہ خاندان آج بھی بدایوں میں موجود ہے کنز التاریخ

---

[۱] صفحہ ۲۸، ۲۹، ۳۲ تاریخ بنو ہمینہ مؤلفہ محمد انشاء اللہ صدیقی حمیدی بدایونی مطبوعہ ۱۹۱۱ء

میں تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کی خیر خواہی کا تذکرہ ہے۔ جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد انگریزوں نے دیگر رعایتوں کے علاوہ شیخ محمد شرف الدین کو مجسٹریٹ درجۂ اوّل کا اعزاز دیا۔

خاندان بنو حمید کے ایک فرد ہزبر علی نامی انگریزوں کے بڑے وفادار تھے انہوں نے وفاداری کے جوش میں مسلمانانِ بدایوں کو بڑا نقصان پہونچایا۔ مولوی محمد انشاء اللہ خاں لکھتے ہیں :-

"یہ بزرگ غدر ۱۸۵۷ء میں خیر خواہ سرکار رہے چنانچہ کارمیکل صاحب بہادر مجسٹریٹ بدایوں کے بیان ۲۱ر اگست سنہ ۱۸۵۸ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبل آمد اہلکارانِ سرکار ہزبر علی پاس کوتوال کے حاضر رہے اور انتظام میں ہر قسم کی مدد دی۔ ہزار ہا روپیہ کا مال سرکاری و باغیان برآمد کرایا نیز اس مضمون کی تائید چٹھی ۲ر مئی ۱۸۵۹ء نوشتہ ویلر صاحب کپتان فوج رسالہ ۱۷ ہندی انگریزی لینڈ فورڈ صاحب انڈر سکریٹری گورنمنٹ مغربی و شمالی ۱۰۰۴ بنام کمشنر بہادر روہیل کھنڈ مورخہ ۱۰ر جون ۱۸۶۰ء سے ہوتی ہے۔

مرادآباد بریلی کے انقلاب نے مُرادآباد کے مجاہدین میں بھی جوش و خروش پیدا کر دیا۔ انگریز افسران نینی تال اور میرٹھ کی طرف فرار ہونے لگے ۳ر جون

کو ۲۹ رجمنٹ نے عَلمِ آزادی بُلند کیا اور جیسا کہ قبل ازیں تفصیلی طور پر بیان کیا جا چکا ہے۔ جنرل بخت خاں ۹ر جون کو رام پور اور ۱۶ر جون کو عازم مراد آباد ہوئے جنرل موصوف نے مجاہدین کے معاملات سدھارنے کی حتی الوسع کوشش کی لیکن آپس کی کشمکش کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی گئی۔ انگریز کی تلوار سر پر لٹک رہی تھی نواب رام پور کا رویہ سخت معاندانہ تھا۔ وقتی طور پر کئی دفعہ مراد آباد رام پوری افواج کے قبضہ میں رہا لیکن تحریک مجاہدین کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہی۔ ضلع مراد آباد کے ٹھاکروں نے سوچا کہ موقع اچھا ہے شہر لوٹ لو۔ اس اطلاع کے موصول ہونے پر عبّاس علی خاں نے نواب مجو خاں سے صلح کر لی اور اس طرح حُبّ الوطنی کا ثبوت دیا۔ نواب رام پور نے جب مراد آباد پر قبضہ کر لیا تو مجو خاں کو سنبھل کا ناظم مقرّر کیا نتیجہ یہ ہوا کہ سنبھل تحریک آزادی کا مرکز بن گیا۔ یہ شہر بڑی پُرانی تاریخ کا حامل ہے۔ مشہور نبرد آزما نواب امیر خاں اسی شہر کے محلہ سرائے ترین کے رہنے والے تھے۔ اس مرکز جہاد کے استحکام میں چھدو لکھوری، جنگی خاں۔ مردان خاں وغیرہم نے خاصی مدد دی۔ ٹھاکروں کے مراد آباد پر حملہ کرنے کا پروگرام جب ناکام ہو گیا تو ضلع کے جاٹ اُبھرے اور انہوں نے شہر پر حملہ کر دیا۔ اس زمانے میں عام طور پر شہری آبادی مسلح ہوا کرتی تھی اور حفاظت خود اختیاری کے معاملہ میں فوج اور پولس کی زیادہ محتاج نہیں ہوتی تھی چنانچہ اس موقع پر بھی اہالیانِ شہر نے بڑی پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ جانی نقصان کی پروا نہ کرتے ہوئے تلواروں کے وہ جوہر دکھائے کہ

حملہ آوروں کو بھاگتے ہی بن پڑا۔[1]

واقعہ کدّو خانی مراد آباد کے عوام ریاست رام پور کے سخت خلاف تھے۔ ایک اتفاقی واقعہ پر اُن کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ اس واقعہ کا اجمال یہ ہے کہ ۳ راگست ۱۸۵۸ء کو رام پوری فوج کے ایک سپاہی کا مسمی محمد عثمان مرادآبادی سے ایک کدو (لوکی) خریدنے پر جھگڑا ہو گیا جس میں عثمان زخمی ہوا اُس کے اعزہ نے فوجی کو مار ڈالا۔ حکیم سعادت علی خاں مدارالمہام ریاست رام پور نے محمد عثمان کو علاج کے لئے بھیجنا چاہا لیکن فوجیوں نے اس کو راستہ ہی میں قتل کر ڈالا۔ اس حرکت پر شہریوں کے جذبات بھڑک اُٹھے اور انہوں نے رامپوری فوجیوں پر بے دریغ حملے شروع کر دئے۔ بڑی مشکل سے امن قائم ہوا۔ مراد آباد میں عام حالت یہ تھی کہ عوام جوش جہاد میں دیوانے ہو رہے تھے۔ مساجد میں ہر جمعہ کو جہاد کے متعلق وعظ ہوتے تھے:

مرادآباد کا آخری دور ۲۲ راپریل ۱۸۵۸ء کو شہزادہ فیروز شاہ مرادآباد پہنچے اور اُنہوں نے رام پور کی توپوں پر قبضہ کر کے غداروں کو کیفر کردار تک پہونچایا۔ ہر طرح بحث و مباحثہ کے بعد انہوں نے ایک محضر تیار کرایا جس میں لوگوں سے بقسم شرعی جہاد میں شرکت کے واسطے دستخط لئے گئے تھے۔ شہزادہ کے قبضہ اور اقتدار نے نواب رام پور کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا

---

[1] بحوالہ تاریخ امروہہ از مولوی نہال الدین [2] اخبار الصنادید صفحہ ۸۰۴ از نجم الغنی خاں رام پوری

اب یہ صورت تھی کہ ایک طرف تو کرنل جونز رُڑکی سے مراد آباد کی طرف آرہا تھا دوسری طرف نواب رام پور انگریزوں کے اشارہ پر مسلمانوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا خون بہانے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ چنانچہ بڑے زبردست معرکے ہوئے۔ ایک موقع پر جب دو بہ دو جنگ ہو رہی تھی تو شہزادہ نے جذبۂ اسلامی سے مجبور ہو کر چلا کر کہا

"افسوس تم مسلمان ہو کر ہماری جان کے درپے ہو اور کفّار کی حمایت میں ہمیں تکلیف دینا گوارا کرتے ہو"[۱]

لیکن چونکہ دلوں پر مہر لگ چکی تھی اس لئے کسی بات کا اثر نہیں ہوا۔

دن کے بارہ بجے جب شہزادہ کو کرنل جونز کے بالکل قریب پہونچ جانے کی اطلاع ملی تو اس نے جنگی چال چلتے ہوئے تھوڑے مجاہدین کے ذریعہ دشمنوں کو اُلجھائے رکھا اور اپنی خاص فوج کے ساتھ بریلی کی طرف چلا گیا۔ ۲۵ر اپریل کو جنرل جونز انگریزی افواج کے ساتھ مراد آباد پہونچا اور مسٹر انگلس نیز ہندوستانی مخبروں کی مدد سے بے شمار آدمی شہید کئے۔ نواب مجّو خاں بہادری سے لڑتے ہوئے اپنے گھر پر شہید ہوئے۔ اُنہوں نے بڑی دلیری کے ساتھ ۳ آدمی طمنچہ سے قتل کئے باقی کو تلوار کے گھاٹ اُتارا۔

نواب مجّو خاں کے ساتھ اُن کے خاندان کے بھی اکثر افراد شریک ہنگامہ ہوئے تھے نواب شیر علی خاں عاجز مراد آبادی نواب صاحب کے بہنوئی تھے۔ اُن کے بھائی

---

[۱] اخبار الصنادید۔ مولوی عبدالعلی خاں مرحوم سابق سکریٹری ڈاکٹر انصاری مرحوم نے اپنی سرگزشت میں اپنے ماموں مستقیم خاں اور اسمٰعیل خاں کی عینی شہادت کی بنیاد پر شہزادہ کی اپیل کی تصدیق کی ہے۔

شبیر علی خاں دہلی کے مورچہ پر انگریزوں سے لڑے تھے۔ ۱۶ر نومبر ۱۸۵۸ء کو نواب شبر علی خاں شہید ہوئے۔ ۴ر مئی ۱۸۵۸ء کو اُن کی جائیداد برائے ضبطی عدالت میں پیش ہوئی۔ اس مقدمہ کی مسل کا عنوان ہے۔

"قرقی جائیداد شبر علی خاں مقتول" یہ مسل محافظ خانہ فوجدار دیوان مرادآبادی آج تک محفوظ ہے (صفحہ ۲۹۲ مجاہد شعرا ازمولانا امداد صابری) صفحہ ۳۱۱۔

نواب مجو خاں کے دوسرے قریبی عزیز نواب رفیع علی خاں علی کو بھی گولی کا نشانہ بنایا گیا۔

اور

مولانا کفایت علی کافی کو پھانسی دی گئی۔ جائداد ضبط ہوئی۔ مولانا کفایت علی نسباً شیخزادہ اپنے وقت کے جیّد عالم تھے۔ بہ حیثیت نعت گو وہ ایک اعلےٰ مقام کے مالک ہیں۔ مولانا کی ایک کتاب 'بہار خلد'، کتب خانۂ خاص "انجمن ترقیٔ اردو کراچی" میں محفوظ ہے۔

مولوی محمد عمر نعیمی مرادآبادی ثم کراچی راوی ہیں کہ اب سے تقریباً تیس سال قبل مولانا کی قبر تعمیر سڑک کے سلسلے میں کھل گئی۔ یہ تعجب خیز امر مشاہدہ میں آیا کہ جسم مبارک اتنا طویل عرصہ گذر جانے کے باوصف محفوظ تھا۔ شیخ برکت علی صاحب نے عقب جیل مُرادآباد دفن کر دیا۔ یہ قبر آج بھی محفوظ ہے [۱]

---

[۱] دیکھو محاربۂ عظیم از کنہیا لال کپور ص ۔ و اخبار الصنادید ص ۔ مشاہیر جنگ آزادی از مفتی انتظام اللہ شہابی ص ۳۲-۳۳

سہسوان بدایوں کے قریب سہسوان روہیل کھنڈ کا ایک نہایت مردم خیز قصبہ ہے ہنگامۂ آزادی میں اس قصبہ کے مجاہدوں نے بھی اپنا حق ادا کیا۔ افسوس ہے کہ تفصیلات ہم دست نہیں ہیں۔ مولانا شاہ نیاز احمد صاحب حریت نوازوں کی قیادت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ تاریخ حسب ذیل ہے:۔

شہادت یافت چوں سبطِ پیمبر　　نیاز احمد کہ بود از آلِ احمد
چوں روح پاک او در جنت آسود　　دخولِ خلد تاریخش بر آمد

سہسوان کے احمد حسن خاں انگریزوں کے ہمدرد تھے انہوں نے اپنے سگے بھائی حیدر خاں کے خلاف مخبری کی۔ تھانہ سہسوان کے سامنے حیدر خاں کو گولی سے شہید کیا گیا۔ اُن کی جائیداد بطور انعام احمد حسن خاں کو ملی۔

دوسرے بھائی محمد حسن خاں کو مجاہدوں سے ہمدردی و اعانت کرنے کے جُرم میں بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا۔ اُن کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھکر تحصیل گنور کی طرف گھسیٹا گیا یہاں تک کہ مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ حیدر خاں شہید کا مزار محلہ شہباز پور سہسوان میں موجود ہے بسٹر عقیل احمد خاں ایڈوکیٹ کاؤنسلر میونسپل کارپوریشن ناظم آباد کراچی کی نانی حیدر خاں شہید کی سگی بیٹی تھیں۔

حیدر خاں پانچسو جوانوں کے ساتھ گھلا دریا کے مورچہ پر نواب فرخ آباد کی طرف سے انگریزوں کے مقابلہ میں داد مردانگی دے چکے تھے۔ اُن کی گرفتاری کے الفاظ حسب ذیل تھے:۔

"چوں دار و رسن میسر نشود، حکم شد بہ تفنگ بہ اندازند"

جب بدایوں کے محافظ خانے میں پرانے کاغذات تلف کئے جا رہے تھے تو محمد تقی خاں جو عقیل احمد خاں ایڈووکیٹ کراچی کے دادا احمد نبی خاں کے چھوٹے بھائی تھے یہ کاغذ خاموشی سے نکال لائے تھے اور محمد ذکی خاں کے پاس محفوظ تھے مسٹر عقیل احمد خاں نے اپنی آنکھ سے یہ چیزیں دیکھی تھیں۔ انگریزوں نے مزید حکم دیا کہ حیدر خاں کے گھرانے کے افراد کو ملازمت سرکاری نہ دی جائے۔ نواب خان بہادر خاں کو حیدر خاں پر بے حد اعتماد تھا انہوں نے نواب کے حکم پر سہسوان سے گنور تک اہیروں نے جو قتل و غارت گری برپا کر رکھی تھی اس کا قطعی سد باب کر دیا تھا۔ اُن کا اس حد تک رُعب بیٹھ چکا تھا کہ انقلاب دُشمن لوگ ایک دوسرے سے مخالفت میں کہتے تھے "رام کرے تیرے گھر میں حیدرا اچھر جائے"۔

خیر خواہانِ سرکار

ایسے طوفانی دور میں مراد آباد میں صرف چند آدمی انگریزوں کے وفادار تھے اور وہ ہمیشہ مسٹر ولسن نیز دیگر انگریز افسران سے خفیہ طور پر خط و کتابت رکھتے تھے اُن لوگوں میں دُرگا پرشاد ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس، نند کشور سپرنٹنڈنٹ سٹرک بھاؤ جگن ناتھ ڈپٹی پوسٹ ماسٹر، بابو تارا چند اسسٹنٹ سرجن بابو گنیش پرشاد مترجم منصفی قابل الذکر ہیں لالہ بھیمی راین خطوط لے جانے کا خطرناک کام انجام دیتا تھا۔ گرسہائے قوم جاٹ ساکن مراد آباد نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی بڑی گرانقدر خدمت انجام دی۔

(۶) سید محمد حسن خاں (دانشمند)	محض پروانۂ خوشنودی و اعترافِ خدمت ۲۳ر اپریل ۱۸۵۸ء کو عطا ہوا۔
(۷) پیر امین الدین (پیرزادہ)	" " " " " " " " "
(۸) پیر محمد علی خاں (")	" " " " " " " " "
(۹) مولوی محب علی خاں عباسی	نواب صاحب رام پور کی جانب سے خطاب خانی اور پروانۂ خوشنودی عطا ہوا۔
(۱۰) مولوی کریم بخش عباسی	" " " " " " " " "
(۱۱) حکیم امجد علی خاں (کنبوہ)	ایامِ غدر میں شاہجہانپور میں تحصیل دار اور انگریزوں کے بڑے خیر خواہ تھے۔ صلۂ خدمت میں ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ ملا۔

امروہہ میں بھی جنگِ آزادی کی ناکامی کے اسباب ہی تھے جو مرادآباد شہر اور روہیلکھنڈ کے دیگر علاقوں کے تھے سب سے پہلی غلطی تو ان مجاہدین کی یہ تھی کہ مرکز بریلی سے بے تعلق رہے کوئی تو سیدھا دہلی سے رشتہ جوڑ رہا تھا۔ کوئی نواب صاحب رامپور کو اپنا قبلہ بنائے ہوئے تھا اور کچھ لوگ انگریزوں سے ساز باز قائم کئے ہوئے تھے، اکابر امروہہ میں بعض جاندار شخصیتیں نواب یوسف علی خاں کے جال میں پھنس گئی تھیں اگرچہ اُن کو صلۂ خدمتِ غدر میں پروانۂ خوشنودی کے سوا کیا ملا لیکن اُس نازک دور میں یہ بھی بڑی بات تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ انگریز نے انعام و اکرام کے معاملہ میں بھی اُنہی لوگوں کو زیادہ نوازا جنھوں نے ضمیر فروشی کی انتہا کردی تھی جن اشخاص نے عام طور پر مخبریاں کرکے بے گناہوں کو پھانسی دلائی، جائدادیں ضبط کرائیں اور شرفا کے خاندانوں کو نانِ شبینہ کو محتاج کرادیا۔ وہی خصوصیت کے ساتھ موردِ الطاف وعنایات قرار پائے۔ اس چھوٹے سے خوبصورت شہر میں جنگ آزادی کا تصور حقیقی معنوں میں معدودے چند اشخاص کے ذہن میں تھا اُن لوگوں نے بھی اکثر بالغ نظری کا مظاہرہ کرنے کے بجائے تعصباتی سیاست کو زیادہ اہمیت دی انجام ہمارے سامنے ہے۔ آج بھی امروہہ کے خوش نما باغات کے پُرفضا ماحول میں جنگ آزادی کے مجاہدین کی روحیں بھٹکتی دکھائی دیتی ہیں۔ رہے نام اللہ کا!

شاہجہان پور بدایوں، پیلی بھیت اور مرادآباد کے بعد بغاوت کا سب سے بڑا مرکز شاہجہان پور تھا۔ یہاں بغاوت کی تنظیم امیرالمجاہدین مولوی سرفراز علی گورکھپوری نے فرمائی تھی۔ کلکٹر نے افواہوں کی بُنیاد پر سرکاری پہرہ میں اضافہ کردیا تھا۔ ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کو ہنگامہ شروع ہوا۔ مفتی مظہر کریم[۱] پیشکار۔ غلام قادر خاں۔ نظام علی خاں۔ منگل خاں۔ سید قادر علی۔ سید نیاز علی سید سراب علی اور گھنشام سنگھ پیش پیش تھے۔ مفتی مظہر کریم بڑی خوبیوں کے

---

[۱] مفتی مظہر کریم نے جغرافیہ کی ایک قدیم اور ضخیم کتاب کا ترجمہ کیا تھا جس کی وجہ سے آپ کو قبل از وقت کالے پانی کے عذاب سے نجات ملی ۱۸۷۲ء میں دریاباد میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہیں۔ یہ بزرگ مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر صدق جدید کے دادا تھے۔

بزرگ تھے۔ وہ اپنے زمانہ کے ممتاز عالم۔ صاحبِ فتویٰ فقیہ تھے۔ ابتدائً قادر علی خاںؒ علاقے کا بندوبست کرتے رہے لیکن تقریباً ایک ماہ بعد غلام قادر خاں نے اُن کو باضابطہ نائب مقرر کر دیا۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقتباس خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

جب غدر شروع ہوا تو غلام قادر خاں اودھ کے ایک مقام ہانسی میں تھے وہاں وہ دیہاتیوں کو برطانوی راج کا تختہ اُلٹ دینے کی ترغیب دیتے رہے "قادر علی خاں اور غلام قادر خاں" کہیں مل جل کر کام کرتے بھگوان جانے کتنے مظالم ہوتے انگریزوں اور اُن کے ساتھیوں پر، چونکہ غلام قادر خاں نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے بے تعلقی اختیار کی تھی اس وجہ سے سپاہیوں نے اُن کے رقیب کو ترجیح دی اور اس اثنا میں غلام قادر خاں کہیں اور چلے گئے اور وہیں سے صورتِ حال کا جائزہ لیتے رہے۔ مظہر کریم انہیں کے ساتھ ہیں۔ نظام علی خاں، ہنگل خاں، عبدالرؤف خاں۔ سیتل سنگھ اور بہت سے خوشحال و با اثر خاندان اُن کے طرفدار ہیں۔ ۱۵ جون ۱۸۵۷ء کو وہ شاہجہانپور آئے۔ دوسرے دن اپنے دوست و احباب کے ساتھ بریلی پہنچکر

لہ نواب بہادر خاں روہیلہ بانی شاہجہانپور کی اولاد تھے انگریزوں نے کالے پانی کی سزا دی۔

خان بہادر خاں کے سامنے حاضر ہوئے۔ یہ وہ بوڑھا باغی ہے جو اپنے آپ کو نائب المسلمین کہتا ہے۔ غلام قادر خاں نے شاہجہانپور کی نظامت کے لئے اپنے حقوق پیش کئے اور نذر گذرانی۔ بالآخر اُن کی درخواست منظور ہو گئی۔ کل وہ شاہجہانپور آئے اور فوراً حکومت کی تشکیل شروع کردی۔ حافظ خلیل بھی اُن کے معاون ہو گئے ہیں حامد حسن خاں کو نائب ناظم کا عہدہ دیا گیا ہے۔ آج صبح بڑے بڑے باغی نواب کے دربار میں جمع ہوئے نذریں پیش کیں اور اپنے اپنے عہدوں کی اسناد حاصل کیں۔ رات کو نواب کے یہاں دعوت ہے"۔ [۱]

شاہجہان پور کی بغاوت سارے ہندوستان میں سب سے دیرپا ثابت ہوئی۔ جب دہلی لکھنؤ اور کانپور فتح ہو گئے اور بریلی کا مورچہ ٹوٹ گیا اُس وقت بھی مجاہدینِ شاہجہانپور نے انگریزوں کو پے در پے شکستیں دیں کیونکہ اس ضلع کے مجاہدین کو لکھنؤ۔ ہردوئی۔ بریلی سے برابر کمک ملتی رہی۔ ایک دَور تو ایسا آیا کہ ضلع شاہجہان پور جنگِ آزادی کے نامور مشاہیر کا مرکز بن گیا۔ جنرل بخت خاں روہیلہ نواب تفضل حسین[۲] خاں والیِ فرخ آباد، شہزادہ فیروز شاہ۔ مولوی فیض احمد[۳] بدایونی

---

[۱] غدر کی کہانی مترجمہ سید برکات احمد مرحوم

[۲] فرخ آباد کے بدنصیب نواب تھے۔ مشہور بنگش خاندان کے فرد اور بڑا اونچا علمی ذوق رکھنے والے شخص تھے منیر شکوہ آبادی کو لکھنؤ سے طلب فرمایا اُن کا قطعہ ملاحظہ ہو:۔ (اگلے صفحہ پر)

مولوی احمد اللہ شاہ نانا راؤ وغیرہم سب ہی تو اس مورچہ پر اکٹھے ہو گئے۔

شاہجہانپور کی ابتدائی بغاوت کا حال حسب ذیل ہے:۔

"بتاریخ ۳۱ر مئی روز یکشنبہ بوقت صبح ۲۸ رجمنٹ ہندوستانی مقیم شاہجہان پور نے فساد برپا کیا۔ چند سپاہی مفسدوں نے گرجا گھر میں جا کر جس وقت نماز ہو رہی تھی ونسنٹ صاحب اور کرانی کو قتل کیا۔ السائنس صاحب متعلقہ ۲۸ رجمنٹ کو زخمی کیا"۔ ۵

(سلسلہ صفحہ گذشتہ)

۵ امیر عہد تجمل حسین خاں نواب — خطاب جن کا ظفر جنگ نام ہے اعلیٰ
زمانہ میں نہیں کہتے ہیں لوگ حشمت جنگ — نہ سپہر کرم فیض عام ہیں یکتا
انہوں نے شقہ مع صرف راہ بھیجا ہے — طلب کیا ہے کمال اشتیاق سے بخدا
چلا ہوں لکھنؤ سے سوئے فرخ آباد آج — ہزاروں حسرتیں رنج و ملال میں ہیں صدا

فراق لکھنؤ سے ہے منیر یہ تاریخ
بہشت ہند سے افسوس ہائے میں نکلا

نواب تجمل حسین نے اس قصیدہ پر ایک خلعتِ زریں اور زنجیر[۱۲] طلائی عطا فرمائی اور معقول مشاہرہ مقرر کر دیا" منیر بڑے باکمال شاعر تھے نواب تفضل حسین کے خاندان کی بربادی اور نوابین کی پھانسیوں سے متاثر ہو کر بڑے درد انگیز اشعار کہے ہیں:۔

اقبال مند خاں و غضنفر حسین خاں — دونوں در محیط عطا آہ ہائے!
دونوں جوان نیک امیرانِ ذی حشم — مقتول تیغ تیرہ قضا آہ ہائے!
تاریخ ان کے قتل کی کافی ہے یہ منیر — دونوں شہید راہِ خدا آہ ہائے!
ریاض خلق سخاوت حسین خاں نواب — نہال باغ کرم[۳] مسند[۱۲] شوکت[۵]۔

(اگلے صفحہ پر)

بریلی کی طرح شاہجہاں پور میں بھی بغاوت اُسی وقت شروع ہوئی جب یورپین

(بسلسلۂ صفحہ گزشتہ) ہ

وہ بے گناہ ہوا تیغ مرگ سے مقتول　　عنایت اس کو کیا حق نے گلشن جنت
منیرؔ نے یہ کہی اس کے قتل کی تاریخ
ہوا شہید امیر دلیر با ہمت
۱۲۸۴ھ

صفحہ ۱۳۰ مشاہیر جنگ آزادی از مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی

تفضل حسین خاں نواب عنایت حسین خاں کے لڑکے تھے ۱۲۴۳ھ سال پیدائش ہے اُن کے چچا نواب تجمل حسین خاں ممدوح مرزا غالب تھے ع "بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے"۔ ۱۸۵۹ء میں بعد مقدمہ جلاوطن کئے گئے۔ ۱۸۸۴ء میں انتقال ہوا۔ قدبس بچل نے اپنی ڈائری صہ ۱۶۹ میں لکھا ہے کہ

"۳ر جنوری ۱۸۵۸ء کو ہم فتح گڑھ پہنچے نواب فرخ آباد وہاں موجود تھا اس لئے ہم نے اعلان کیا کہ اگر نواب کو حاضر نہ کیا گیا تو شہر میں قتل عام شروع ہو جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نواب کو دست و پا بستہ ایک چارپائی پر ڈال کر لایا گیا پہلے اس کے جسم پر سور کی چربی ملی گئی پھر بھنگیوں سے کوڑے لگوائے گئے اس کے بعد پھانسی دی گئی۔"

ممکن ہے یہ نواب وہی ہوں جنکا قطعہ تاریخ شہادت منیرؔ شکوہ آبادی نے لکھا ہے۔

(نوٹ متعلق مولوی فیض احمد) ڈاکٹر وزیر خاں مولوی فیض احمد بدایونی کے ساتھ دہلی پہنچے۔ مولوی فیض احمد مرزا مغل کے پیشکار مقرر ہوئے۔ کشمیری گیٹ کے مورچہ پر ایک حصۂ فوج کی کمان ان کے سپرد تھی۔ انہوں نے بڑی بہادری دکھائی جب بادشاہ مرزا الہٰی بخش کے ہاتھ میں کھلونا بنے تو جنرل بخت خاں، ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی فیض احمد وغیرہ لکھنؤ چلے گئے، وہاں سے بریلی ہوتے ہوئے شاہجہاں پور مولوی احمد اللہ شاہ کے ساتھ شریک معرکہ رہے (باغی ہندوستان از مولوی عبدالشاہد خاں شروانی)

(باقی اگلے صفحہ پر)

حکّام گرجے میں جمع تھے۔ کچھ انگریز قتل ہوئے کچھ زخمی لیکن سکھ فوجیوں کے آنے کی وجہ سے وقتی طور پر بچ گئے۔ مسٹر جیکسن جوائنٹ مجسٹریٹ پوائیں کے راجہ کی پناہ میں پہونچ گئے۔ یہ راجہ انگریزوں کا خاص آدمی تھا۔ مجسٹریٹ نے امجد علی نامی ایک شخص کی ڈیوٹی لگائی کہ جب مجاہدین روانہ ہوں تو اس کو اطلاع دے۔ جگن ناتھ سنگھ راجہ پوائیں بڑا بزدل شخص تھا۔ انگریزوں کو اپنی حدود میں دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔ اس کے اصرار پر انگریزوں کی جماعت محمدی کے علاقے میں روپوش ہو گئی۔

"راجہ اپنے خیال میں غالباً صحیح تھا کیونکہ وہ باغیوں کے حملے جھیلنے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔"

"مجاہدین فوجی علاقے سے شہر میں داخل ہوئے اور نظام علی خاں کو کوتوال، قادر علی خاں کو ناظم۔ غلام حسین خاں کو نائب مقرر کیا۔ اس انتظام کے بعد فوجیں سرِ شام بارکوں کو واپس چلی گئیں۔

(بسلسلہ صفحہ گزشتہ) مولانا فیض احمد کا بدایوں کے مشہور عثمانی خاندان سے تعلق تھا اس نامور خاندان کے بزرگ محمد دانیال قطری لاہور دیوبند ہوتے ہوئے عہد شمسی میں بدایوں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے مولانا فیض احمد کے بزرگوں میں مولوی مرید محمد بن ملا عبدالشکور نے عہد عالمگیری میں قوم ناگا سے زبردست جہاد کیا تھا۔ مولانا کے پردادا بحر العلوم مولانا محمد علی عالم اجل و فاضل بے بدل تھے مولانا کے دادا مولوی شمس الدین بڑے فقیہ و مدرس تھے مولانا کے والد مولوی غلام احمد بھی علوم منقول و معقول میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ فن طب میں بھی کمال حاصل تھا۔"

"مولانا فیض احمد" بدایونی از محمد ایوب قادری ایم اے (مطبوعہ پاک اکیڈیمی کراچی مئی ۱۹۵۷ء

علاوہ بریں سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد مرکز بریلی کو روانہ ہوئی جب بریلی کے کامیاب انقلاب کی اطلاع شاہجہاں پور پہونچی تو قادر علی خاں نے ایک عظیم الشان جشن برٹش گورنمنٹ کے خاتمہ اور نواب خان بہادر خاں کے تحت روہیلہ گورنمنٹ کے قیام کے سلسلہ میں منعقد کیا۔

۱۷ جون ۱۸۵۷ء کو نواب غلام قادر خاں شاہجہانپور واپس آئے (جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے) اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ بریلی روانہ ہوئے۔ نواب خان بہادر خاں نے نواب غلام قادر خاں کا شایانِ شان استقبال کیا اور جملہ مراسم مہمانداری ادا کئے۔ چند روز بعد ضلع شاہجہانپور کی نظامت کا پروانہ قادر علی خاں کے بجائے اُن کے نام جاری ہوا۔ نظام علی خاں۔ حامد حسن خاں و خان علی خاں کو تحصیلدار و ڈپٹی مقرر کیا گیا۔

فوج کی کمان عبدالرؤف خاں کے سپرد کی گئی۔ یہ بڑے جوشیلے آدمی تھے۔ اُنہوں نے ۴ رجمنٹیں اور ۹ اسکوڈرن کیولری کی تیار کیں۔ توپ خانہ کا انتظام حشمت علی خاں نے سنبھالا۔ ۲ ماہ بعد عبدالرؤف خاں نامعلوم وجوہ کی بنا پر مستعفی ہو گئے اور واجد علی ناظر نے اُن کی جگہ سنبھالی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ عبدالرؤف خاں کے پایہ کو نہ پہونچ سکے۔

---

۵۱ بحوالہ گزیٹر شاہجہانپور۔ تاریخ شاہجہانپور از مولوی صبیح الدین۔ غدر کی کہانی۔ ترجمہ سید برکات احمد

باب (۱۱)

ٹھاکروں کی غداری

اضلاع بریلی ونجیب آباد کی طرح ضلع شاہجہاں پور میں بھی ٹھاکروں نے قومی محاذ کے خلاف بہت طوفان اُٹھایا۔ جون ۱۸۵۷ء میں اُن لوگوں کی جسارت اس حد تک بڑھ گئی کہ خاص شہر شاہجہانپور پر حملے کا پروگرام بنانے لگے۔ مجبوراً نظام علی خاں کوتوال کو ٹھاکروں کے مرکز ٹھیلا پر فوج کشی کرنی پڑی۔ بریلی سے بھی نواب خان بہادر خاں نے اپنے چیف کمانڈنگ مردان علی خاں۔ ۔ ۔ ۔ کی کمان میں ایک بڑی فوج ٹھاکروں کی سرکوبی کے واسطے شاہجہان پور بھیجی جس نے راجپوتوں کی سرکشی کو بڑی حد تک فرو کیا۔

کٹرہ تلہر جب ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کو مجاہدین کی کامیابی کی اطلاع قصبہ تلہر ضلع شاہجہاں پور پہونچی تو نواب غلام محمد خاں نے تحصیلدار ملازم حکومت انگلشیہ کو نکال کر پولیس اسٹیشن اور دیگر سرکاری عمارات پر قبضہ کرلیا تحصیلدار

مذکور مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو گئے لہٰذا اُن کی مدد سے تقریباً ۶ ماہ ملکی و مالی امور انجام پاتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد غلام محمد خاں کے بجائے نئے ناظم کفایت اللہ خاں کام کرتے رہے۔ قدرتی طور پر یہ تبدیلی غلام محمد خاں کو ناگوار گذری لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ ملکی مصالح نیز نازک سیاسی فضا کی بنا پر انہوں نے تحریک آزادی سے مُنہ نہیں موڑا۔ اور مکمّل تعاون کرتے رہے چنانچہ ہلدوانی ضلع نینی تال سے انگریزوں کے اخراج میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ غدر کے کافی عرصہ بعد گرفتار ہوئے اور حبس دوام کی سزا پائی۔

کٹرہ میراں پور ضلع شاہجہان پور بھی بغاوت کا ایک ذیلی مرکز تھا۔ فیض محمد خاں اور غلامی خاں مجاہدین کے نہایت جوشیلے سردار تھے انہوں نے اپنی ذاتی سعی و کاوش سے ایک مکمّل فوج تیار کی تھی۔

تحصیل جلال آباد ضلع شاہجہانپور

یہ تحصیل راجپوتوں کی مخالفانہ سرگرمیوں کا مرکز تھی کھاندر اور دوسرے دیہاتوں پر اسمٰعیل خاں نامی یک فوجی سردار کے تحت۔ ایک مضبوط دستہ بھیجا گیا تھا جس نے خاصی کامیابی حاصل کی۔ نواب خان بہادر خاں نے احمد یار خاں سابق تحصیلدار انگریزی کو جلال آباد کا ناظم مقرر کیا۔ یہ غدر کے کل زمانے میں مسلسل جلال آباد کے حاکم رہے۔ جنگِ آزادی کے خاتمہ پر انگریزوں نے انہیں پھانسی کی سزا دی۔ جب احمد یار خاں کو تختۂ دار پر چڑھایا جا رہا تھا اُس وقت راجپوت خوشیاں منا رہے تھے۔

راجہ پوائیں ضلع شاہجہانپور

نواب خان بہادر خاں نے مقامی مجاہدین کی مدد سے کل ضلع پر قبضہ و اقتدار حاصل کرلیا تھا لیکن راجہ پوائیں حقیقی معنوں میں مطیع و فرمان بردار نہیں تھا اس لئے اس کی تادیب کے واسطے ایک مضبوط فوج بھیجی گئی راجہ پوائیں نے خوشامدانہ رویہ اختیار کیا۔ نواب خان بہادر خاں نے جس طرح ریاست رامپور کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرکے سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا تھا ویسی ہی سیاسی شکست راجہ پوائیں سے بھی کھا گئے۔

یہی شخص بعد کو مولوی احمد اللہ شاہ کا قاتل نکلا۔

باب (۱۲)

بجنور بجنور روہیل کھنڈ کے مغربی علاقہ کا مرکز ہے. یہاں نواب خان بہادر خاں کا اقتدار ذرا بدلی ہوئی شکل میں تھا. جنرل محمود خاں کے بزرگ نواب نجیب الدولہ حافظ رحمت خاں والیِ روہیل کھنڈ کے عزیز قریب نواب دوندے خاں بہادر کے داماد تھے اس مناسبت سے حافظ صاحب نواب نجیب الدولہ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے اور اُن کی بعض زبردست فروگذاشتوں کو بھی بطیب خاطر برداشت کرتے تھے. نواب محمود خاں کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ تھا اور نواب ضابطہ خاں ابن نواب نجیب خاں کی ابن الوقتی کی بنا پر جو خاندانی تنازع پیدا ہو گیا تھا اس کو قطعی اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ ہمیشہ عملی تعاون کرتے تھے.

جب آخری دَور میں شیو پرشاد ایجنٹ نہر کی مخبری کے نتیجہ میں مجاہدین کا لشکر نہر پار کرتے ہوئے بہ مقام کنکھل سیلاب کی نظر ہوا اور باقی ماندہ تاک میں بیٹھی ہوئی انگریزی فوج کا نشانہ بنا تو اس نازک مرحلہ پر ہر ایک کی نظر بریلی کی طرف تھی.

جُب اس شکست کی خبر نجیب آباد میں پہونچی تمام باغیانِ فوج

میں کھلبلی پڑ گئی اور سب کے ارادے جو پار اُترنے کے تھے دگمت پڑ گئے اور ہر ایک باغی اپنے اپنے پرگنہ جات کا بندوبست میں جو بروقت تقسیم مُلک اُن کے حصّے میں آئے تھے معروف ہو گئے اور سلاطین دہلی اور تلنگاں باغی جو جمع تھے متفرق ہونے لگے اور بریلی کی طرف کسی نہ کسی بہانہ سے چلے گئے"۔

"نجیب آباد کی فوج کے اکثر اراکین بریلی اور بریلی کے مجاہد نجیب آباد آتے جاتے رہتے تھے چنانچہ "محمد حسین خاں فضل گڈھی اول رسالدار ہوا اور پھر مختار ہو کر بریلی خان بہادر خاں کے پاس گیا"۔ (صفحہ ۲۹۲ ضمیمہ الف تاریخ سرکشی بجنور مرتبہ ڈاکٹر معین الحق)

۱۲ر مئی ۱۸۵۷ء کو بجنور میں میرٹھ کے واقعات کی خبر پہنچی اور یہاں بھی شورش کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ مجسٹریٹ ضلع مسٹر شیکسپیر نے احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور حفاظتی فوج تیار کی۔ ایک دستۂ فوج کی محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر اور دوسرے کی سید احمد خاں صدر امین مراد آباد نے قیادت کی۔ مراد آباد کے غدر کی خبروں سے اور شورش پھیلی۔ رُڑکی میں بھی اس اثنا میں بغاوت ہو گئی جہاں سفرمینا کی تین سو سپاہیوں پر مشتمل بٹالین نے بغاوت کر دی۔ یہ لوگ سیدھے نجیب آباد گئے اور نواب محمود خاں اور احمد اللہ خاں سے مشورہ لیا۔ پھر نگینہ پہنچے۔ ۲۱ر مئی کو تحصیل پر قبضہ کر لیا۔ اسی روز بجنور کا جیل خانہ ٹوٹا۔ خزانۂ سرکار رحمت خاں د

سیّد احمد خاں اور تراب علی کے ذریعہ لوٹ سے بچا۔ ۲ر جون کو کپتان گیف میرٹھ سے آیا اور پچاس ہزار روپیہ خزانہ سے لے گیا۔ ۷ر جون کو انگریز فرار ہو گئے۔ ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ سید احمد خاں نے کنوئیں میں ڈال دیا۔

نواب محمود خاں کا اقتدار

مندرجہ بالا واقعات کے حقیقی شاہد سر سیّد احمد خاں مرحوم ہیں اُن کی تصنیف تاریخ سرکشی بجنور انگریزوں کی بیجا حمایت اور طرزِ تخاطب کے اعتبار سے اگرچہ قابلِ اعتراض ہے تاہم تاریخی اعتبار سے مسلمہ حیثیت کی حامل ہے۔ نواب محمود خاں کے اقتدارِ اعلےٰ سنبھالنے کے متعلق وہ لکھتے ہیں:۔

"جو کہ بالکل انتظام ضلع بجنور کا جب تک کہ سرکار کی مرضی ہو آپ کے سپرد ہوتا ہے کہ آپ کو چاہیئے کہ ضلع کا بخوبی انتظام کرو۔ اور جس قدر اسباب جناب صاحب کلکٹر بہادر اور جناب جوائنٹ مجسٹریٹ بہادر کا کوٹھی میں ہے اور جس قدر مال و اسباب و دفتر سرکاری ہے اس کی بخوبی حفاظت رکھو۔

مرقوم ۷ر جون ۱۸۵۷ء

تاریخ سرکشی بجنور مرتبہ ڈاکٹر معین الحق ص۱۶

---

[1] تاریخ سرکشی بجنور ص۶۶

نواب محمود خاں کا شجرہ نواب محمود خاں کا شجرہ حسب ذیل ہے:۔
نواب نجیب الدولہ ــــ نواب ضابطہ خاں ــــ نواب معین الدین خاں عرف بھنبو خاں ـ نواب جنرل محمود خاں ـ نواب جلال الدین خاں

انتظام علاقہ نواب محمود خاں نے عظمت اللہ خاں کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اس سلسلہ میں جو حکم نامہ جاری ہوا۔ اس کا اقتباس حسب ذیل ہے

"روبکارہ بہ اجلاس امیر الدولہ ضیاء الملک ذوالقدر نواب محمود خاں بہادر ظفر جنگ جو کہ آج کی تاریخ میں ہم کو انتظام کرنا مالی و ملکی ضلع نجیب آباد کا ساتھ اس وجوہ کے بنا پر ضرور ہوا کہ ہم نے اپنی طرف سے جو اختیارات دیے تھے وہ کل اختیارات برخوردار محمد احمد اللہ خاں کو دیئے بتشریح ان اختیارات کی یہ ہے کہ برخوردار مذکور الصدر کو اختیار رہے کہ احکامات موقوفی و بحالی محکمہ نظامت و فوجداری اور نیز فوج میں اجرا کریں۔"

احمد اللہ خاں نے ڈپٹی احمد یار خاں عرف کلن خاں سپہ سالار حبیب اللہ خاں کو بخشی فوج مقرر کیا۔ باقی حکام زیادہ تر انگریزی دور کے ہی قائم رکھے یہ ایک سیاسی غلطی تھی۔ دوسری غلطی ان لوگوں سے یہ سرزد ہوئی کہ عین ہنگامی دور

لہ بحوالہ شجرہ تیار کردہ نواب عزیز احمد خاں راولپنڈی تاریخ سرکشی بجنور صفحہ ۲۶

میں جائیداد کی تقسیم کا مناقشہ اُٹھایا اور آپس میں اختلاف کا سبب پیدا ہو گیا تراب علی پنڈت رادھا کشن وغیرہم نے مالگذاری کی وصولیابی میں گڑبڑ پیدا کی احمداللہ خاں نے کنوئیں سے سرکاری خزانہ نکلوالیا۔ مولوی منیر خاں نگینہ سے ۴۰۰ جہادی لے کر نجیب آباد آگئے۔ ۱۰ جولائی کو نواب محمود خاں نے بہادر شاہ کو عرضی لکھی۔ بادشاہ نے محمود خاں کو حاکم تسلیم کر لیا۔ شاہی فرمان ۲۸ جولائی ۱۸۵۷ء کو موصول ہوا۔

قصبہ چاند پور کے قدیم رؤسا میں رستم علی اور صادق علی نے آزادی کا علم بلند کیا۔ ہندو مسلم اتحاد کی زبردست کوشش کی گئی۔ مندروں کی حفاظت کا خاص اہتمام کیا گیا لیکن انگریز عہدیداران کی کوششوں کے نتیجہ میں ہندو چودھریوں اور نواب محمود خاں میں شدید مناقشہ برپا ہو گیا۔ چودھریوں نے نگینہ شیر کوٹ اور ہلدور کے علاقوں میں مسلم عوام کو زبردست جانی و مالی نقصان پہونچایا۔ نواب کو ابتداءً شکست کا سامنا کرنا پڑا لیکن بعد کو احمداللہ خاں غالب آئے جنرل محمود خاں کے بھائی جلال الدین خاں نے چودھریوں کو مسلسل شکست دیکر کافی نقصان پہونچایا۔ افسوس ہے کہ ان باتوں کا حقیقی فائدہ انگریزوں نے اٹھایا لیکن نواب سختی کرنے پر قطعی مجبور ہو گیا کیونکہ سخت اقدام کے بغیر انگریزوں سے مقابلہ کی نوبت ہی نہ آتی اور چودھریوں کی عملداری قائم ہو جاتی۔ انگریزوں نے قبضہ پاکر چودھریوں کو انعام و اکرام سے لاد دیا۔

وہ نواب رام پور کی طرف سے جنوبی مُراد آباد کا نائب ناظم تھا اور صلۂ وفاداری میں راجہ کا خطاب اور گیارہ گاؤں کی معافی ملی جن کی آمدنی دس ہزار سے زائد تھی ۔[1]

امروہہ امروہہ عہدِ قدیم سے یوپی کا مشہور مردم خیز قصبہ رہا ہے ۱۸۵۷ء میں اس قصبہ کے باشندگان نے خصوصی حصّہ لیا۔ جب ہنگامۂ آزادی کی پیہم اطلاعات قصبہ میں موصول ہوئیں تو حضرت شاہ ولایت کی درگاہ میں ایک مجلسِ مشاورت منعقد ہوئی ۔ واضح رہے کہ ساداتِ امروہہ زیادہ تر صاحبِ مزار کی اولاد ہیں۔ ۱۹ مئی کو جب جیل خانہ مراد آباد ٹوٹا ٹھیک اسی لمحہ مولوی سید گلزار علی ابن سید اکبر علی مجاہدین کا ایک مضبوط دستہ لے کر مراد آباد پہونچے۔ ۲۰ مئی کو مشورۂ بسیار کے بعد انگریزی اقتدار مُراد آباد سے اُٹھانے میں کامیاب ہو گئے۔ ولسن کلکٹر مراد آباد کی آگ فرو کرنے کے بجائے گورکھا پلٹن لے کر امروہہ پہونچا۔ اس نے مولوی گلزار علی کے مکانات ڈھادیئے اور ظلم وستم شروع کیا لیکن گرد و نواح کے حالات اس تیزی کے ساتھ بدلے کہ ولسن بھی بھاگنے پر مجبور ہوا۔

شاہ دہلی کو انفرادی اور اجتماعی درخواستیں دی گئیں۔ جواب میں شاہ کی طرف سے ہمّت افزا جوابات موصول ہوئے۔ مرکز بریلی سے قرآن خاں[2] نامی ایک بزرگ نائب حاکم مقرر ہوئے۔ خاص امروہہ میں جن بزرگوں نے تحریک کو کامیاب

---

[1] بحوالہ گزیٹر مراد آباد [2] امروہہ کے مقامی تذکروں میں ان بزرگ کا نام کہیں نہیں ملا۔

بنانے میں پُرجوش حصّہ لیا اُن میں سے چند نام حسب ذیل ہیں :۔

شیخ بشارت علی۔ مہر علی خاں۔ درویش علی خاں، مولوی گلزار علی۔

شیخ الٰہی بخش۔ محمد سبحان معافیدار۔

جب مراد آباد پر نواب رام پور کا قبضہ ہوا تو قدرتاً اُن کو امروہہ پر قبضہ کرنے کی بھی خواہش ہوئی۔ چنانچہ سازشوں کا جال تیار کیا گیا تاہم یہ قبضہ بغیر خونریزی ممکن نہ ہوسکا۔ مولوی گلزار علی روپوش ہو گئے۔

معلوم ہوا ہے مولوی گلزار علی کے خطوط سیّد سبحی حسن نقوی سپرنٹنڈنٹ ایجوکیشن امروہہ میونسپل بورڈ کے پاس محفوظ ہیں۔

امروہہ ضلع مُراد آباد کی جنگِ آزادی کے بارے میں مندرجۂ بالا سطور تحریر کرنے اور کتابت مُکمّل ہو جانے کے بعد محبِ گرامی سیّد اعجاز حسین نقوی بی۔اے۔ بی ایڈ۔ سیّد معز حسین نقوی ایڈووکیٹ اور مولوی سلطین احمد صاحب کی امداد و اعانت کی بدولت اس مردم خیز شہر کے متعلق ضروری معاد مثل تاریخ واسطیہ (۱۳۰۸ھ) از سید رحیم بخش، تاریخ شجرات امروہہ از مولوی بشیر حسن، تاریخ امروہہ از مولوی محمود احمد عبّاسی ہمدست ہو سکیں تاریخ سادات امروہہ از جمال احمد نقوی پہلے سے میرے پاس موجود تھی۔ ذیل میں امروہہ کی جنگِ آزادی کے متعلق جو واقعات پیش کئے جا رہے ہیں وہ تمام تر ان ہی کتب خصوصاً مولوی محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب سے اخذ شدہ ہیں۔ قصباتی سیاست .... سے اُس دور کی تاریخیں بھی خالی نہیں تھیں چنانچہ

مولوی محمود احمد عباسی کی محققانہ تالیف میں بھی محلہ وارانہ اور خاندانی عصبیت کی غال
جھلک پائی جاتی ہے تاہم اس تصنیف میں فاضل مؤلف نے تحقیق کا حق بڑی حد تک ادا
کر دیا ہے اور جمال احمد صاحب کا یہ کہنا غالباً نامناسب ہے کہ

"صاحبِ تاریخ امروہہ نے غدر ۱۸۵۷ء کے واقعات نہایت تفصیل
سے لکھے ہیں مگر اُن کا کثیر حصہ تصدیق طلب ہے۔ کوئی خاص اہم تاریخی
واقعہ ۱۸۵۷ء غدر میں امروہہ کے متعلق نہیں ہے۔"

مُصنّف تاریخ واسطیہ اور شجراتِ سادات امروہہ نے مجاہدین کا بہت سرسری
ذکر کیا ہے۔ یہ لوگ غالباً مصالح زمانہ کے زیادہ قائل معلوم ہوتے ہیں۔ مصنف تاریخ واسطیہ
کا طرز تو کہیں کہیں توہین آمیز معلوم ہوتا ہے لیکن یہ توہین آج موجبِ افتخار ہے
کیونکہ انگریز کی خاطر جو لوگ موردِ الزام قرار پائے وہی آج ہمارے قومی ہیرو ہیں
مثال کے طور پر مولوی گلزار علی کے متعلق اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"پہلے یہ بہت بڑے جلسہ دار مسرف بے شمار مشہور تھے صدہا
آدمی بدوضع اُن کے ہم جلسہ۔ ہم صحبت تھے۔ تمام جائداد اپنی انہوں
نے جلسہ داری میں صرف کر دی تھی چند اضلاع میں اُن کا نام مشہور
و معروف ہو گیا تھا۔ یہ بہت خوبصورت اور وجیہ تھے اکثر جھگڑوں
قضیوں اور شہر کے دیگر اُمورات میں یہ سب سے آگے ہوتے تھے اور
ماتم داروں علمبرداری عشرۂ محرم میں بھی سب سے پیش پیش ہوتے

اس شہر میں و نیز دیگر شہروں میں اُن کے نام نے بہت شہرت پائی تھی یہاں تک کہ دیگر اضلاع کے لوگ اُن کی صورت دیکھنے کے مشتاق رہتے تھے۔ جب اُن کے پاس کچھ جائداد نہیں رہی تو عرصہ تک ضلع مُرادآباد محکمہ کلکٹری و فوجداری میں مختار عدالت رہے۔"

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے ذیل میں ہنگامۂ آزادی ۱۸۵۷ء میں امروہہ کی کیفیت کے مزید حالات درج کئے جاتے ہیں :-

امروہہ ضلع مرادآباد کا ایک انتظامی یونٹ تھا اور تحصیل و منصفی تھانہ وغیرہ قائم تھے مئی ۱۸۵۷ء میں ضلع مرادآباد میں درج ذیل سینئر انگریز افسران موجود تھے :-

۱۔ سی۔ بی۔ سانڈرس مجسٹریٹ

۲۔ جے۔ جے کیمبل جوائنٹ مجسٹریٹ

۳۔ جے۔ جے۔ کرافٹ ولسن جج

ولسن تقریباً سترہ سال سے اس ضلع میں سرکاری خدمت انجام دے رہا تھا۔ اس لئے وہ علاقہ سے بخوبی واقف تھا۔ جب بغاوت کا زور بندھا تو قدرتاً ضلع کا کل انتظام اس کے ہاتھ میں آگیا۔ جب میرٹھ اور دہلی کی بغاوت کی خبریں امروہہ پہونچیں تو درگاہ شاہِ ولایت میں مجاہدین کی پہلی میٹنگ غالباً ۱۷ مئی ۱۸۵۷ء کو منعقد ہوئی۔ اس میں شہر کے اشخاص نے شرکت فرمائی۔ چند افراد کے نام حسب ذیل ہیں [۵] :-

[۵] کچھ ناموں کا ہم قبل ازیں ذکر کر چکے ہیں۔

(۱) سید محمد حسین خاں
(۲) سید یوسف علی خاں
(۳) مولوی سید تراب علی
(۴) سید محمد باقر
(۵) سید محمد عرف محمد چھک
(۶) سید مبارک
(۷) سید محمد زماں
(۸) سید ذوالفقار علی
(۹) سید فرحت علی
(۱۰) سید مشرف علی
(۱۱) سید تحسین علی
(۱۲) سید علی محمد
(۱۳) سید سلطان علی
(۱۴) سید محمد اسمٰعیل
(۱۵) سید بنیاد علی
(۱۶) سید بشارت علی
(۱۷) سید شبیر علی خاں
(۱۸) سید غلام سجاد
(۱۹) سید باد علی و سید سجاد علی و سید رمضان علی
(۲۰) ولایت علی خاں
(۲۱) مولوی بشارت علی خاں
(۲۲) سید محمد حسین
(۲۳) سید نذیر حسین و امیر حسین
(۲۴) سید علی مظفر خاں (گھڑیال والے)
(۲۵) مولوی کریم بخش عباسی

اس جلسۂ مشاورت میں طے پایا کہ اگر انگریزوں کا اقتدار ضلع مراد آباد سے اُٹھنے لگے تو امروہہ میں انگریزوں کی عملداری درہم برہم کرکے خود اقتدار سنبھال لیا جائے شہر کے اکابرین بعض حضرات مثل سید علی مظفر خاں (گھڑیال والے) اور

سید محمد حسین خاں (دانشمند) وغیرہم کو اس بات کا اطمینان نہیں تھا کہ انگریزی راج حقیقتاً ختم ہو رہا ہے یا یہ ایک وقتی ہنگامہ ہے لہٰذا ان بزرگوں نے بطورِ حفظ ماتقدم بانیانِ جلسہ کی تجویز سے اختلاف کیا۔ ان حضرات نے کیا موقف اختیار کیا اس کی تفصیل تو معلوم نہیں ہو سکی صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ اُن کی بات نہیں مانی گئی۔ یہ جلسۂ مشاورت بالکل اسی طرح تھا جس طرح تھانہ بھون میں مجاہدانِ آزادی نے منعقد کیا تھا۔ وہاں بھی چند اکابر علماء اور شرکاء نے نیک نیتی کے ساتھ اختلاف کیا تھا۔ مثلاً حضرت مولانا شیخ محمد صاحب محدّث تھانوی، مولانا محمد احسن نانوتوی۔ لیکن آج بھی ان بزرگوں کی نیت پر شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔[لہ]

خلاصۂ کلام امروہہ میں یہ مشاورت ہو رہی تھی کہ دوسری طرف میرٹھ امدادی دستہ لے جانے کی غرض سے مسٹر سانڈرس مُراد آباد سے موضع رجب پور پہونچے۔ ۱۹ مئی کو مجاہدین نے مراد آباد کا جیل خانہ توڑ ڈالا اور قیدیوں کو آزاد کرا لیا۔ یہ خبر سُن کر سیّد مدد علی تھانہ دار امروہہ و سیّد محمد حسن خاں (دانشمند) خاص طور پر رجب پور پہونچے اور واقعات کی اطلاع دی۔ مسٹر سانڈرس نے میرٹھ روانگی ملتوی کر دی اور بعجلت مراد آباد واپس چلا گیا۔

اس دوران میں مولوی گلزار علی بن سیّد اکبر علی (ساکن محلہ دربار کلاں آزاد شدہ قیدیوں کی ایک پر جوش جماعت کے ساتھ جن کو مولوی مذکور نے انگریزوں

لہ دیکھو حالات مولانا شیخ محمد محدث تھانوی از شاء الحق صدیقی ایم۔ اے۔

کی قید سے آزاد کرایا تھا، راتوں رات امروہہ پہونچے۔ مولوی گلزار علی نے دوسری مجلسِ مشاورۃ سید رمضان علی (اکڑہ والے) کے مکان پر منعقد کی اور یہ جلسہ تمام رات جاری رہا۔ اس پنچایت میں سید ظہور حسن و سید یعقوب الدین و غیرہم شامل تھے۔ ان لوگوں نے حسب قرار داد ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء علی الصبح تھانہ امروہہ پر حملہ کر دیا۔ میر مدد علی تھانہ دار اور شہامت خاں جمعدار موقع واردات پر مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ تھانہ جلا دیا گیا۔ تحصیل کا خزانہ جس میں تقریباً سترہ ہزار روپیہ تھا لوٹ لیا گیا۔ اس وقت نواب محمود خاں والی نجیب آباد (بزمانۂ غدر) کے بھانجے نواب سعد اللہ خاں منصف تھے۔ سعد اللہ خاں کو نواب غلام قادر خاں روہیلہ نے گود لے لیا تھا[1]۔ بعد کو یہ جنگ آزادی میں شریک ہو گئے تھے جب مجاہدین نے تحصیل پر حملہ کیا تو سید علی مظفر خاں[2] گھڑیال والوں نے نواب سعد اللہ خاں کو بچا لیا ورنہ ممکن تھا نجیب آباد کے مجاہدین کے سرگروہ ضیاء الملک جنرل محمود خاں کا بھانجہ لاعلمی میں مجاہدین امروہہ کا شکار بن جاتا۔

ان واقعات کی فوری طور پر مسٹر سانڈرس کو خیر خواہانِ سرکار نے اطلاع دی۔ اس نے سید محمد حسن خاں (دانشمند) کو اپنی طرف سے انتظام کے

---

[1] بحوالہ محبوب التواریخ قلمی۔ مولفہ سید الطاف علی بریلوی

[2] سید علی مظفر خاں کی اولاد میں سید محمد علی خاں نقوی جہانگیر وڈ اسکول والے جہانگیر روڈ پر مقیم ہیں۔ ان سب لوگوں میں خاندانی شرافت پائی جاتی ہے۔

واسطے تعینات کیا۔ یہ آدمی ذرا سمجھدار تھے انہوں نے جو شہر کی دگرگوں کیفیت دیکھی تو عملاً عنانِ اختیار سنبھالنے میں تساہل برتا اور مسٹر سانڈرس کو حقیقی کیفیت سے آگاہ کر دیا۔

اب گور سہائے ناظر قوم جاٹ ولد ہرپت سنگھ جاٹ کو امروہہ کے انتظام کے واسطے متعیّن کیا گیا۔ اس شخص کے ساتھ اُس کی برادری کی بڑی زبردست قوت تھی چنانچہ وہ جاٹوں کی ایک جماعتِ کثیر ہمراہ لے کر امروہہ پہونچا۔ شہر سے باہر سرکاری نمائندہ کا استقبال سیّد علی مظفر خاں، میر مینا و علی (پیرزادہ) وغیرہم نے کیا۔ ۲۵ مئی ۱۸۵۷ء کو ولسن انگریزی افواج کے ساتھ امروہہ پہونچا۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ مولوی گلزار علی اور دیگر مجاہدین کے مکانات ڈھیوانا شروع کردئے۔ ولسن گردی کے بعد گر سہائے ناظر کا اقتدار صرف دس دن تک قائم رہ سکا۔ بات یہ ہوئی کہ بریلی میں بھی ۳۱ مئی کو بغاوت ہوگئی۔ اس اطلاع نے مجاہدین کی ہمت بندھادی گُر سہائے جاٹ بھاگ کر گجرولہ چلا گیا جہاں اس کے ہم قوم افراد کی ایک کثیر تعداد آباد تھی۔ کچھ مسلمان سرکار پرست بھی گُر سہائے جاٹ کے پاس پناہ گزین ہوگئے۔

امروہہ پر جاٹوں کا حملہ

امروہہ کے جنوبی حصہ پر صاحب سنگھ ساکن موضع لکھوری دیبا سرائے سنبھل کو لوٹنے کے بعد بہ ہمراہی بشنا جاٹ ساکن موضع جول کھیڑہ حملہ آور ہوا۔ اہالیانِ شہر نے جاٹوں کے مقابلہ میں دادِ شجاعت دی۔

موضع بپسلسرہ کے پاس مجاہدین گھر گئے اور تقریباً سترہ مارے گئے

لیکن جاٹ شہر میں داخل نہ ہوسکے۔ دو روز بعد اُنہوں نے پھر حملہ کیا اور الٹیمیٹم دیا کہ شہر کے ہندو مہاجنوں کو ہمارے حوالے کردو۔ یا دس ہزار روپیہ نقد دو ورنہ شہر تباہ کردیں گے۔ شہر کے مجاہدین نے ہندو مہاجنوں کو لٹیروں کے حوالے کرنے سے صاف انکار کردیا اور خدا کا نام لے کر حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔

"اُس روز کسی طرح اُن پر غالب ہونے کا گمان نہ تھا لیکن منجانب اللہ تائید غیبی اور امدادِ لاریبی ایسی شامل ہوئی کہ شہر والوں کے باہر نکلتے ہی جو جاٹوں نے حملہ کیا اور بندوقیں فیر کیں تو گویاں بادہوائی ہوگئیں اور شہر والے تلواریں کھینچ کھینچ کر دوڑ پڑے۔۔۔۔۔۔ بعد اس کے پھر کبھی جاٹوں کو امروہہ پر حوصلہ چڑھائی کا نہ ہوا۔"

(تاریخ اصغری بحوالہ تواریخ امروہہ صلا)

شاہ ظفر کو ساکنانِ امروہہ کی عرضداشتیں

قلعہ دہلی سے انگریزوں نے بعد از فتح جن کاغذات پر قبضہ کیا اُن ہی میں سے ساکنانِ امروہہ کی عرضداشت بھی برآمد ہوئی۔ جن بزرگوں نے اس جرأت کا مظاہرہ کیا تھا اُن کے نام حسب ذیل ہیں:-

۱- محمد شبیر علی خاں (دوم ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ)

۲۔ شیخ بشارت علی خاں و شیخ مہربان علی خاں و شیخ مظفر علی خاں و شیخ فیاض علی خاں و شیخ اعتماد الدین خاں و شیخ عباس علی خاں و شیخ عشرت علی خاں و شیخ احسن علی خاں و شیخ نصیرالدین خاں و شیخ منصب علی خاں تیرگان درویش علی خاں۔ پنج ہزاری (۱۶ شوال ۱۲۷۳ھ)

۳۔ ولی داد خاں (۱۷ شوال ۱۲۷۳ھ)

۴۔ مولوی سید گلزار علی و سید نثار علی و سید محمد حسین و سید محمد و سید فضل حسین۔ مولوی سبحان علی۔

لطیفہ مندرجہ بالا عرضداشتیں ارسال کرنے والے مجاہدین کو انگریزوں نے شدید سزائیں دیں لیکن مولوی سبحان علی محفوظ و مامون رہے۔ مولوی محمود احمد عباسی اپنی کتاب کے حاشیہ ص۶۷ پر رقمطراز ہیں:۔

"دوسرے عرضی گذاروں پر تو جرم بغاوت میں سنگین مقدمات قائم ہوئے

---

۵ امروہہ کے سید محض سر سید احمد خاں مرحوم کی کوشش سے داروگیر سے کسی حد تک محفوظ رہ سکے۔ مشہور مجاہد علی برادران مولانا شوکت علی و مولانا محمد علی کی والدہ امروہہ کے شیوخ کلاں سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ خاندان اسی ہنگامہ میں بری طرح تباہ ہوا۔ اس خاندان سے ایک ممتاز فرد عثمان علی خاں و صدیق علی خاں عثمانیہ کالونی کراچی میں مقیم ہیں۔ سر سید احمد خاں کو سادات امروہہ سے تعلق خاطر خصوصی تھا کیونکہ انکی قریبی عزیزہ سادات کے سلسلہ میں منسلک تھیں

اور تحقیقات کے بعد سخت سزائیں بھی دی گئیں۔ لیکن مولوی سبحان علی کلیتًا آزاد و محفوظ رہے۔ ظاہر ہے اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ بعض سن رسیدہ حضرات سے خاکسار مؤلف کو معلوم ہوا کہ اس زمانے میں مولوی سبحان علی کے ہم نام ایک اور شخص سادات امروہہ میں محلہ دربار کلاں کے ساکن بھی تھے جو جرم بغاوت کی علّت میں مفرور ہو گئے تھے۔ سرکاری کاغذات کی نقول میں سید سبحان علی مفرور کے الفاظ خاکسار مؤلف کی نظر سے گذرے ہیں۔ غالب قیاس یہ ہی ہے کہ عرضی بھی بجائے مولوی محمد سبحان علی پیرزادہ کے ان ہی سیّد سبحان علی مفرور کی جانب منسوب کی گئی۔ ہمارے خیال میں جو بزرگ مفرور تھے کہانی اُن ہی سے متعلق ہے اور دوسرے بزرگ معصوم ہوں گے کیونکہ جرم میں حصّہ لے کر بغیر ذریعہ ڈھٹے رہنا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

مندرجۂ بالا عرضداشتوں میں سے سیّد شبیر علی خاں کی درخواست دربار شاہی میں قبول کی گئی۔ شاہی شُقّہ کے الفاظ یہ ہیں:-

"سیادت پناہ شجاعت دستگاہ محمد شبیر علی خاں مورد تفضلات بودہ بداند عرضی آں سیادت پناہ مشعر بہ رسوخ ارادت وخصوص عقیدت دربارگاہ فلک اشتہار خسروی بہ اُمید سید احراز ازسعادت حضوری و باز ماندن بہ سبب فتنہ وفساد جاہلان ناہنجار ضیا اندوز انظار قدسی گردید بکلّی کیفیت معروضہ بوضوح

رسید۔ لہذا زیب ارقام می رود کہ ایں فدوی خاص تا انتظام کلی انجا قصد احضار در دولت نہ نماید و ہرگاہ امنیت کامل وبندوبست بہ بطہور رسد کاغذ جمع خرچ از تحصیل بعد مجرائے مصارفِ ضروری حاضر حضور شود دریں صورت موردِ الطاف بادشاہی خواہد گردید زیادہ تفضلات شناسند۔

المرقوم ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ"

سید شبیر علی خاں کی قانونی سیادت کے باوجود امروہہ میں کامل سکون کی صورت پیدا نہ ہوسکی۔ بات یہ تھی کہ یہ شہر مراد آبادی سیاست کا چہرہ تھا۔ مراد آباد کے مجاہدین کی صفوں میں انتشار تھا تو امروہہ کی بستی بھی اس خصوصیت سے کیوں خالی رہتی۔ نواب خان بہادر خاں کا اقتدار مراد آباد میں برائے نام تھا اس لئے امروہہ بھی اُن کے اقتدار سے تقریباً محروم رہا۔ ہم روہیل کھنڈ کی جنگ آزادی کے مفصل سلسلے کی ترتیب قائم رکھنے کی خاطر ان حالات کو قلمبند کر رہے ہیں۔

مجاہدین کی ناکامی کا ایک بڑا سبب نواب رام پور کی انگریز دوستی تھی جیسا کہ مراد آباد کے احوال میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔

انگریزوں نے جوں ہی امروہہ پر قابو پایا گرسہائے جاٹ کو مسلط کرنے کی کوشش کی لیکن سادات امروہہ کے شدید احتجاج کی بنا پر یہ فیصلہ بدلنا پڑا۔ مولوی گلزار علی نے شدید موانعات کے باوصف کافی جد و جہد کی۔ دو تین ہزار فوج جمع کرلی

نجیب آباد کے مشہور سردار مارے خاں کو بھی مجاہدین نے مدعو کیا لیکن بگڑے ہوئے حالات کو کون بدل سکتا تھا۔ مولوی گلزار علی روپوشں ہو گئے۔ مولوی معزز حسین نقوی کا معتبر شہادتوں کی بنا پر ارشاد ہے کہ

"مولوی موصوف لکھیم پور کھیری کے جنگلات میں چھپ گئے اور ایک صوفی منش بزرگ کی صورت میں عوام کے سامنے آتے جاتے رہے اور وہیں اُن کا مزار ہے۔"

پروفیسر محمد ایوب قادری ایم۔ اے کی پردادی صاحبہ نے مولوی گلزار علی مرحوم ومغفور کو دیکھا تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ حکیم سعید اللہ (ایوب صاحب کے پردادا) ساکن آنولہ ضلع بریلی کے ساتھ ڈھاک کے جنگلوں میں روپوش رہے۔ موضع کھیلم یا علی گنج میں مدفون ہوئے۔ یہ مواضعات آنولہ کے نواح میں واقع ہیں۔ ہمارے خیال میں ایوب صاحب کا بیان اس وجہ سے وزن دار ہے کہ ڈھاک کے جنگل میں اکثر مجاہدینِ روہیل کھنڈ نے پناہ لی تھی۔ ساداتِ نو محلہ اور خاکسار مؤلف کے ایک جدی سلسلہ کے بعض بزرگوں نے موضع کلیا میں اتنی بڑی تعداد میں رہائش اختیار کی کہ یہ موضع ساداتِ کلیہ کہلانے لگا یہ سب لوگ ہنگامۂ آزادی کے بعد خفیہ طور پر منتقل ہو گئے تھے۔

اللہ تعالے کو بچانا تھا دار و گیر سے بچ گئے۔

انگریزوں کا قبضہ اور ہنگامۂ دار و گیر

۲ مئی ۱۸۵۸ء کو ضلع مراد آباد پر انگریزوں کا قبضہ مستحکم ہوا۔

ولایت حسین خاں ایک سابق ڈپٹی کلکٹر کو ضلع کا چارج دیا گیا۔ یہ شخص بدقسمتی سے مسلمانوں کے واسطے قہر الٰہی ثابت ہوا۔ ۱۲ مئی کو ولسن واپس آیا۔

سادات محلہ دربار کلاں کے بعض افراد نیز شیوخ کلاں میں سے درویش علی خاں مرحوم کی اولاد اور شیوخ صدیقی میں سے شیخ محمد افضل بن شیخ رمضان علی کو دریائے شور ضبطی جائیداد اور پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔

سید شبیر علی خاں ناظم شاہی کے خلاف جو مقدمۂ بغاوت مسٹر رابرٹ ڈنلاپ مجسٹریٹ کی عدالت میں ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء کو پیش ہوا۔ اس کی طویل روبکار عدالت کے مطابق:۔

سوائے امروہہ کے کوئی دوسرا مقام ایسا نہیں
سرکار انگریزی کی نسبت اس قدر زیادہ دشمنی
کا اظہار ہو یا رعایا اس قدر زیادہ رضامندی
سے بغاوت کو مستعد ہو گئی ہو"

خلاصۂ کلام امروہہ میں سید شبیر علی خاں۔ شیخ محمد افضل صدیقی درویش علی خاں مرحوم کے خاندان کی جائدادیں و املاک ضبط ہوئیں۔

ضبطیوں کی ایک طویل فہرست تھی لیکن اتفاقاً سرسید احمد خاں اس علاقہ میں فرشتۂ رحمت بن کر آ گئے اور بقول مولانا حالی مرحوم (حیات جاوید)

"سرسید کی شرکت کے سبب یہاں کے کمیشن نے

عذرداریوں کی تحقیقات نہایت اعتدال اور انصاف

کے ساتھ کی اور صوبۂ شمال و مغرب میں ضبط شدہ

جائیدادیں جس قدر ضلع مراد آباد میں واگذاشت ہوئیں

ایسی کسی ضلع میں نہیں ہوئیں"

سید شبیر علی خاں کی سزا[1] اپیل پر حبس دوام میں تبدیل کر دی گئی اور ہمراواک (انڈمان) بھیجے گئے اور وہیں انتقال ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کے خطوط مولوی سید عبادت صاحب امام جامع مسجد محلہ شفاعت پورہ امروہہ کے پاس محفوظ ہیں۔ (ان خطوط کی تعداد ۲۲ ہے)۔

خیر خواہانِ سرکار

(۱) گُر سہائے ناظر — راجہ کا خطاب اور گیارہ مواضعات۔

(۲) منشی امام الدین کنبوہ — مراد آباد کے کوتوال تھے۔

مولو منو

---

[1] کہا جاتا ہے کہ شبیر علی خاں کو بھی ولسن نے سیر و شکار کے بہانے گرفتار کیا۔ یہ روایت بھی کمزور معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ انگریز اُس وقت خونخوار درندہ تھا۔

حملۂ مردانہ میں انگریزوں کے مددگار رہے۔ ایک گاؤں ضلع بریلی میں ایک ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کا ملا۔

(۳) افضل علی

ان کے باپ مدد علی امروہہ میں تھانہ دار تھے اور انگریزوں کی امداد کرتے ہوئے مارے گئے۔ اور پرانے تھانہ کے دروازہ پر اُن کی قبر ہے۔ افضل علی نے اپنے باپ کی پیروی کی، اور مجاہدین کو گرفتار کرانے میں پُرجوش حصہ لیا۔ پانچ گاؤں انعام ملے

(۴) شہامت خاں

یہ شخص مدد علی تھانہ دار کے ساتھ مارا گیا اس کے ورثاء کو موضع شاہ پور انعام میں ملا۔

(۵) سید علی مظفر خاں (گھڑیال والے)

محض پروانۂ خوشنودی و اعتراف خدمت ۲۳ اپریل ۱۸۵۸ء کو عطا ہوا۔

نجیب آباد و بجنور کے ہنگاموں کی تفصیلات ہم نے محض تسلسل قائم رکھنے کی خاطر شامل کی ہیں ورنہ نواب خان بہادر خاں کا چونکہ براہ راست تعلق اس ضلع کی حکومت سے نہیں تھا اس لئے محض کیفیت درج کرنے سے اعراض کرتے ہوئے مختصراً چند ضمنی مگر اہم واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔

نجیب آباد میں انگریزی مظالم

لوگوں کو عبرتناک سبق دینے کے لئے نجیب آباد میں انہیں مظالم کا اعادہ کیا گیا جو بقیہ ہندوستان پر توڑے جا رہے تھے :-

"۱۱ر اپریل ۱۸۵۸ء کو محمود خاں کے چھوٹے بھائی جلال الدین خاں اور سعد اللہ خاں کو نور پور میں پھانسی دی گئی اور اُن کا دیوان خانہ بارود سے اُڑا دیا گیا۔ نگینہ کے باغوں میں چھپے ہوئے لوگوں کو انگریزی فوج نے قتل کیا۔ قاضی محلہ کے سب آدمی مارے گئے دھام پور کی سڑک پر جس قدر لوگ ہاتھیوں پر سوار ملے سب کو قتل کر دیا گیا"۔

"خاص باغی دیہات بنا دئے گئے تھے کہ وہ بالکل غارت کر دئے جائیں اور اُن میں تمام باغیوں کے سر لٹکائے جائیں"[۱]

"جانسن کی رائے تھی کہ موت کی سزا طرح طرح کی تکلیفیں دے کر دی جائے مثلاً مجرم کی کھال اُتاری جائے۔ زندہ جلایا جائے۔ پھانسی آسان موت ہے"۔

---

[۱] بحوالہ تاریخ سرکشی بجنور از سر سید احمد خاں مرتبہ ڈاکٹر معین الحق

"جو مسلمان تنومند یا وجیہ تھے انہیں پکڑ کر کوتوالی پہنچایا گیا بہت کم ایسے مسلمان تھے جو سپاہیانہ شان رکھتے ہوں اور پھانسی سے بچے ہوں پشاور سے لیکر مشرقی و شمالی ہند تک شاید ہی کوئی مالدار، مولوی، نمازی مسلمان ہو گا جو نہ پکڑا گیا ہو، دس برس تک برابر ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت صغریٰ برپا رہی۔ ایک محکمہ گواہوں کا دار و گیر کے لئے بھی تیار رہا جس کو چاہا حبس دوام کر دیا۔ بہت سے مجرموں کو آنکڑے (ایک قسم کا لکڑی کا بھدا آنکڑا ہوتا تھا) پر اُکڑوں بٹھا دیا جاتا تھا اور مشکیں کسی ہوتیں۔ تختہ پر مجرم کو چڑھا کر گلے میں پھندا ڈال کر نیچے گرا دیتے تھے"۔ [۱]

---

[۱] بحوالہ عروج عہد انگلیشیہ از مولوی ذکاء اللہ دہلوی

باب (۱۳)

مرکز بریلی اور جنگِ نینی تال

جنرل بخت خاں کی دہلی روانگی کے بعد نواب خان بہادر خاں کی ذمہ داریوں میں زبردست اضافہ ہوگیا۔ وہ انگریزوں کے مزاج سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے نینی تال میں ہر طرف سے انگریز مفرورین کا اجتماع دہلی اور لکھنؤ پر دشمن کے بڑھتے ہوئے دباؤ نیز اندرونی غداریوں کے پیش نظر انہوں نے طے کیا کہ ہر قیمت پر نینی تال کے انگریزی مرکز کو توڑا جائے۔ ہم کو افسوس کے ساتھ اعتراف ہے کہ نینی تال والی مہمات کا غیر جانبدارانہ جائزہ میسر نہ آسکا اس لئے ہم مجبوری درجہ گزیٹر اور دیگر انگریز مصنفین کے طرفیہ بے ربط اور مبہم بیانات پر اکتفا کرتے ہیں۔ نواب خان بہادر خاں نے نینی تال کی مہم پر رسالے لشکر روانہ کئے۔ ان رسالوں کی کمان حسب ذیل افراد نے انجام دی :۔

(۱) بنّے میر خاں (۲) حیدر خاں و کالے خاں (۳) موسیٰ خاں

(۴) علی خاں میواتی (۵) حبیب اللہ خاں (۶) کالے خاں و فضل حسن۔

افسوس ہے کہ ان مجاہدین کے حالات پر گہرا پردہ پڑا ہوا ہے اور ہم اُن کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ انگریزی گزیٹر کے مطابق :-

"مجاہدین کی بُزدلی کا یہ عالم تھا کہ پہلی گولی چلتے ہی سر پر پیر رکھ کر بھاگتے تھے"

یہ بیان پڑھ کر قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مجاہدین ایسے ہی ڈرپوک تھے تو ان بزدلوں کے خوف سے انگریز اپنے بال بچوں کو نینی تال سے الموڑہ کیوں لے گئے؟ کیفیت ملاحظہ ہو :۔

"ایک چٹھی کپتان رامزی صاحب کے پاس اس مضمون کی آئی کہ تین ہزار مفسدین بریلی جن کو خان بہادر نے آمادہ کیا ہے بجانب کوہ آتے ہیں اور دریائے کچھا کو کہ بہ فاصلہ بیس میل دامنِ کوہ سے جاری ہے جس میں ترائی بھی واقع ہے عبور کر چکے ہیں۔ یہ خبر وحشت اثر سُن کر میم صاحبوں کو روانہ الموڑہ کیا۔ یہ اندیشۂ فساد آخر ماہ اگست ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا تھا"[۱]

خود گورہ فوج کی بُزدلی کا یہ عالم تھا کہ مجاہدین کی آمد آمد کی جھوٹی خبروں سے ہی اُن کا دل کانپ جاتا تھا وہ تو کہئے کہ اپنوں کی غداری نے بنا بنایا کام بگاڑ دیا۔ مسٹر الیگزنڈر کمشنر روہیل کھنڈ ڈویژن نے محکمہ خارجہ کے نام جنگِ آزادی سے

---

[۱] محاربہ عظیم از کنہیالال کپور صفحہ ۱۳۱

متعلق جو تفصیلی رپورٹ ارسال کی تھی اس میں گوروں کی بُزدلی کا صاف صاف اقبال کیا گیا تھا۔

"یہ وہ زمانہ تھا کہ گوروں کی فوج جنگ سے تھرّاتی تھی"[۱]

۱۱ر اکتوبر ۱۸۵۷ء کو بریلی برگیڈ نے حملہ کرکے کاٹھ گودام آزاد کرا لیا اور اندھیری شب میں خوفناک پہاڑی راستوں کو طے کرنا شروع کر دیا تاکہ خاص نینی تال پر خاموشی سے حملہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن غداری کا بھلا ہو ایک نازک موڑ پر انگریزی فوج کی عین زد پر مجاہدین آ گئے۔ جو لوگ پہاڑی راستوں سے واقف ہیں اُن کو بخوبی اندازہ ہے کہ پہاڑوں پر اکثر ایسے موڑ آتے ہیں جہاں صحیح اطلاع یابی کی صورت میں بڑی سے بڑی فوج کو بہ آسانی پسپا کیا جانا ممکن ہوتا ہے۔ نواب خان بہادر خاں کو اس مہم کی ناکامی کا دلی صدمہ تھا۔ اُن کو یقین تھا کہ اگر غدّاری نہ ہوتی تو یہ مہم بڑی نتیجہ خیز ثابت ہوتی چنانچہ روہیل کھنڈ گزیٹر کا بیان اس ضمن میں قابل غور ہے :-

"اس نتیجہ (غدّاری) میں خان بہادر تمام انگریزی لکھنے اور پڑھنے والوں کو قید کرنے پر مجبور ہو گئے کیونکہ اُن کو بجا طور پر شبہ تھا کہ کچھ لوگ نینی تال سے خط و کتابت رکھتے ہیں۔ انہوں نے شہر بریلی سے تمام بنگالیوں کا صفایا کر دیا۔"

---

[۱] بحوالہ تاریخ الصنادید صفحہ ۱۵۵

مندرجہ بالا اقتباس میں بجا طور پر لکھ کر غداری کا صاف صاف اقبال کیا گیا ہے۔[1]

اس کے علاوہ بنگال کے غیر مسلموں کا کردار بھی بخوبی واضح ہوتا ہے۔ ایک گم نام مجاہد حبیب اللہ خاں ان مہمات کے دوران لال ڈھونگی تک جا پہونچے اور وہاں کے پولیس افسر کو قتل کر دیا۔ مجاہدین کے دو[2] سردار کالے خاں وفضل حق جن کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔

---

[1] بنگالی ملازمین سرکار کے غدارانہ رویہ کی تائید درگاداس بندھو پادھیہ نامی ایک بنگالی کلرک مقیم بریلی کے ایک طویل روزنامچہ سے بخوبی ہوتی ہے۔ یہ روزنامچہ امپیریل لائبریری کلکتہ میں محفوظ ہے۔ اس روزنامچہ میں مجاہدین کو شدید فرقہ پرست اور ہر طرح سے ذلیل۔ بزدل اور خوار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ انگریز آقا خوش ہوسکیں اور نواب خان بہادر خاں کو ایک بے بس حکمراں ثابت کیا ہے۔ جن مالدار لوگوں سے جنگ آزادی چلانے کی خاطر روپیہ وصول کیا جاتا تھا اُن کو نیز عام ہندوؤں کو مظلوم ٹھیرایا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق قومی گورنمنٹ نے سات بنگالیوں کو پھانسی کی سزادی تھی۔ مسٹر آر۔ سی۔ مجمدار جیسا بالغ نظر مصنف بھی اس غدار بنگالی کی دروغ گوئی کی تائید اس بُنیاد پر کرتا ہے کہ اس قسم کے واقعات جیون لعل نے دہلی کی جنگِ آزادی کے بارے میں بھی لکھے تھے۔ (درآں حالیکہ انگریزوں کے وفادار ہونے کی حیثیت سے دونوں کے جھوٹ اگر مشابہ ہیں تو اوّل الذکر کیلئے یہ کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو ص۱۷۰-۱۷۸ سپاہیوں کی بغاوت اور غدر ۱۸۵۷ء از ڈاکٹر آر۔ سی۔ مجمدار۔

خلاصہ کلام نواب خان بہادر خاں کی انتھک مساعی اور مجاہدین کی شدید جانبازانہ سرگرمیوں کے باوجود غداری کی وجہ سے کامیابی ناکامی میں تبدیل ہونے لگی۔ اُدھر دہلی کا مورچہ ٹوٹ گیا۔ لکھنؤ پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور کانپور میں تانا راؤ کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ ان ہوشربا خبروں نے حوصلوں کو پست کرنے میں نمایاں کام کیا تاہم نواب خان بہادر خاں اور اُن کے ساتھی ہمت ہارنے والے نہیں تھے۔ ریاست رامپور کی معاندانہ روش۔ ضلع بریلی۔ ضلع بدایوں اور شاہجہانپور کے ٹھاکروں کی سرکشی۔ سرمایہ کی شدید کمی۔ نواب رام پور کی سازشیں۔ یہ چند مسائل تھے جنہوں نے نواب خان بہادر خاں کی اُلجھنوں کو اور بڑھا دیا تھا۔ نواب رام پور کی وجہ سے آزادی کی جنگ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہونچا۔ اُن ہی کی وجہ سے مجاہدین کی گرفت مسلسل کمزور ہوتی رہی۔ نواب رام پور انگریزوں کی دامے درمے سخنے مدد کرتے تھے۔ اس دور کی جملہ کتابیں ان تذکروں سے بھری ہوئی ہیں۔ دو ایک واقعات درج ذیل ہیں:۔

"ایک بار علی بخش خاں دس بارہ گاڑیاں اسباب رسد لے کر گئے۔ شفا خانہ بازپور میں صاحب کمشنر کے گارد کے سپرد کر کے چلے گئے۔ جب گارد اسباب لے کر شفا خانہ سے بڑھا تو ناگہاں خان بہادر کی فوج نے آگھیرا اور تمام اسباب لوٹ کر لے گئی۔"[۲]

۲۴ر جولائی ۱۸۵۷ء کو علی بخش خاں رسد کا بہت سا سامان لے گئے شب میں کالا ڈھونگی کے قریب پہنچے تو وہاں نواب بریلی کی فوج مورچہ بند دیکھی وہاں سے پلٹ کر ہلدوانی پر انگریزی فوج نے حفاظت کر رکھی تھی وہاں رسد دے کر خود پہاڑ پر گئے اور کچھ ہدایتیں ملیں اس کی اطلاع آگر سرکار (نواب رام پور) میں کی۔

ایک طرف تو انگریزوں کی اس طرح سے مدد کی جا رہی تھی دوسری طرف ایسے ایسے صاحبانِ کردار بھی تھے کہ جن کا جواب صدیوں میں بمشکل ملتا ہے۔ جو خود مٹ گئے لیکن اُن کے کارنامے تا ابد زندہ رہیں گے۔ تاریخ کاملانِ رامپور[1] صفحہ ۲۳۰ پر ایک بزرگ سید فضل حق کے حالات میں لکھا ہے :-

"نائب سررشتہ دار محکمہ صدر (رام پور) تھے پھر بریلی کمشنری کے سررشتہ دار ہو گئے۔ ایام غدر میں پیلی بھیت۔ بہیڑی میں تحصیلدار تھے۔ فیروز شاہ کے شریک ہوئے۔ نواب رام پور نے ہر چند چاہا کہ رام پور آجائیں لیکن جواب میں لکھا کہ "اب تو تمنائے شہادت ہے چنانچہ جھانسی میں رانی لکشمی بائی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔"

ضلع بریلی کے راجپوت | جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے نواب خان بہادر خاں

---

[1] تاریخ کاملانِ رام پور ۱۹۲۹ء از منشی احمد علی خاں شوق رام پوری

نے عام ہندوؤں کا بالعموم اور ٹھاکروں کا بالخصوص تعاون حاصل کرنے کے واسطے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ غیر مسلم عوام نے نواب کا آخر وقت تک ساتھ دیا لیکن طبقۂ خواص میں چند کاستھ خاندانوں کے علاوہ سب کے سب انگریزوں کا دم بھرتے رہے۔ بدھیلی کے جن ٹھاکروں کو کلکٹری اور تحصیلداری کے منصب دئے گئے تھے اور جن لوگوں کو خالص راجپوت رجمنٹ کا سردار مقرر کیا گیا تھا وہ سب کے سب کسی نہ کسی مرحلہ پر یا تو نینی تال بھاگ گئے یا خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے۔ ایسے غلط ماحول میں لالہ ان سوبھارام اور اُن کے فرزند ہوری لعل کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اگرچہ غلط فہمی کی بنا پر ساداتِ نومحلہ کی طرف سے اُن پر کچھ زیادتیاں بھی ہوئی تھیں لیکن وہ اپنا موقف بدلنے پر تیار نہیں ہوئے اور آخر کار کالے پانی کی سزا بھگتی۔ جب خان بہادر خاں اندرونی خلفشار سے عاجز آگئے تو انہوں نے زیادہ سخت رویّہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ تحصیل فرید پور ضلع بریلی کے ٹھاکروں کے خلاف خان بہادر خاں نے اپنی ذاتی قیادت میں فوج کشی کی اور بہت جلد شورش کچل دی۔ ضلع بدایوں کے راجپوتوں کی سرکوبی جنرل نیاز محمد خاں نے بخوبی کی شاہجہان پور کے ٹھاکروں کے ساتھ سیکڑوں چھوٹے بڑے معرکے ہوئے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

ٹھاکروں اور خان بہادر خاں کی آپس میں لڑائیاں رہیں۔ یہ

ٹھاکر دیہات کو خوب لوٹتے مارتے تھے۔ وہ ہمیشہ خان بہادر
کی رئیسی سپاہ سے شکست پاتے تھے اور پکڑے جاتے تھے"۔[1]

---

[1] تاریخ عہد انگلشیہ منشی ذکاء اللہ دہلوی ص۳۱

باب (۱۴)

روہیل کھنڈ پر انگریزی حملہ کا منصوبہ

روہیل کھنڈ پر انگریزوں نے چار طرف سے حملہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا جس کے مطابق :-

(۱) بریگیڈیر جنرل وال پول کو پایاب مقام سے گنگا کو پار کرنا تھا۔

(۲) کمانڈر انچیف کو ذاتی طور پر فتح گڈھ مارچ کرتے ہوئے وال پول سے ملنا تھا۔

(۳) میجر جنرل پینی کو میرٹھ سے مارچ کرتے ہوئے میراں پور کٹرہ نزد شاہجہانپور کمانڈر انچیف سے مُلاقات کرنا تھی۔

(۴) ایک چوتھا کالم رُڑکی سے میجر جنرل جونز کی نگرانی میں براہ مرادآباد روہیل کھنڈ میں داخل ہونا تھا اور ان سب فوجوں کو آہستہ آہستہ بریلی کو گھیرے میں لینا تھا۔

منصوبے پر عمل

وال پول کو RUYA میں نرپت راؤ کے ہاتھوں سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔ کرنل اوررائن مارا گیا۔ وال پول کمانڈر انچیف سے رام گنگا کے کنارے (حسب پروگرام) مُلاقی ہوا۔ جنرل پینی (اکگرالہ کے قریب) مارا گیا۔ بریگیڈیر جنرل جونز نے ہردوار کے پاس گنگا کو پار کیا۔ اور مجاہدین کی فوجوں سے پہلی ٹکر بھگنی والا (BHAGNI WALA) کے جنگل میں ہوئی۔ اب ۵ مرادآباد پہونچا اور وہیں ٹھہر گیا۔ ۳ رمئی ۱۸۵۸ء کو جنرل جونز نے مارچ کیا اور ۵ رمئی کو میرگنج پہونچ گیا جو بریلی سے ۱۴ میل ہے۔ یہاں شہزادہ فیروز بغیر کسی لڑائی کے ہٹ گیا۔ سرکالن کمانڈر انچیف شاہجہانپور تھوڑی سی فوج جیل پر چھوڑ کر ۳ رمئی کو فتح گنج پہونچ گیا۔ ۵ رمئی کو مشترکہ فوجیں فرید پور میں جمع ہوئیں [۱]

حالات کی تبدیلی
معرکہ نکٹیا اور سقوطِ بریلی

روہیل کھنڈ میں اندرونی غداریوں کے باوجود مجاہدین کی قوت اس قدر مضبوط تھی کہ انگریزوں نے اس علاقہ پر فوری طور پر ہاتھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا اور موقع کی تلاش میں رہے۔ جب دہلی کا مورچہ ٹوٹ گیا اور بہادر شاہ ظفر ہمایوں کے مقبرہ میں محصور ہو گئے اُس وقت جنرل بخت خاں روہیلہ تین ہزار جانبازوں کے ساتھ حضور میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ

"ظلِ سُبحانی! مجاہدین کے ساتھ چلیں"

---

[۱] تاریخ جنگ آزادی از مین ص ۳۵۳

لیکن چرب زبان اور قومی غدار مرزا الٰہی بخش نے جنرل کی ایک نہ چلنے دی اور کمزور فاطر العقل بادشاہ انگریزوں کے ہاتھ چڑھ گیا اور کرنل ہڈسن صرف پچاس گوروں کے ساتھ بادشاہ اور شاہزادگان تیموری کو اس طرح لے گیا جیسے چیل گوشت جھپٹ لیتی ہے۔ غداری اور بزدلی نے مردوں کو نامرد کر دیا۔ جنرل بخت خاں ہڈسن کی آمد سے چند لمحہ قبل سخت مایوسی کی حالت میں تن بہ تقدیر اپنی سپاہ اور چار توپوں کے ساتھ دہلی سے نکل گیا۔ انگریز اُس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے پہلے لکھنؤ پہونچا وہاں دادِ شجاعت دی۔ جب لکھنؤ کا مورچہ ٹوٹ گیا تو شاہجہانپور پہونچا۔ اس کے بعد فتح پور کے معرکہ میں درجۂ شہادت حاصل کیا۔

جب انگریزوں نے دہلی کے بعد لکھنؤ کا مورچہ بھی سر کر لیا تو اطمینان کے ساتھ چاروں طرف سے بریلی کی سمت روانہ ہوئے جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

ولیم فوربس مچل ۹۳ سدرن یعنی ہائی لینڈ میں سارجنٹ تھا۔ وہ معرکۂ بریلی کا عینی شاہد ہے اپنی یادداشت میں لکھتا ہے:۔ (۱۰ اپریل ۱۸۵۸ء)[1]

"تب فوجوں کو حکم دیا گیا کہ جنرل وال پول اور بریگیڈیر ایڈرائن ہوپ کی زیر نگرانی (کمان) بریلی کی طرف بڑھیں"[2]

---

[1] یادداشت مچل مترجمہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ پروفیسر سلیم چشتی نے فارسی مچل کی یادداشت پر مبنی ایک مقالہ رسالہ العلم کے واسطے تحریر فرمایا تھا وہ مقالہ بوجوہ شائع نہ ہو سکا۔ اس کتاب میں مچل کے حوالے جملہ ترجمے اُسی مقالہ سے شکریہ کے ساتھ مستعار لئے گئے۔

[2] دیکھو دہلی کی بپتا از خواجہ حسن نظامی دہلوی

۲ر مئی ۱۸۵۸ء ہم شاہجہان پور سے روانہ ہوئے۔ ۳ر مئی کو فتح گنج پہونچے۔ اگرچہ انسان کا نام و نشان نہ تھا لیکن لوٹ مار نہیں کی گئی۔" (سفید جھوٹ انگریزوں کے ظلم وستم کی خبروں کی وجہ سے عوام بھاگ گئے تھے۔)

۴ر مئی ۱۸۵۸ء "۴ر مئی کو فرید پور (ضلع بریلی) پہونچے وہاں معلوم ہوا کہ خان بہادر خاں کے ساتھ فیروز شاہ، بخت خاں اور نانا راؤ وغیرہ بھی ہیں اور اُنہوں نے ۳۵ ہزار پیادہ ۲۵ ہزار سوار اور تین سو توپیں جمع کرلی ہیں۔ ۴ر اور ۵ر مئی کی درمیانی شب کو ۲ بجے سر کالن (کمانڈر) نے حسب معمول تین تین دن کا راشن سپاہ کو تقسیم کرایا اور ۳ بجے کوچ ہو گیا۔"

غدار وطن ہیرا لعل چٹرجی اس فوجی نقل وحرکت کے دوران انگریزی فوج کو دریائے رام گنگا پار کرانے کے واسطے ایک رہنما کی ضرورت تھی کیونکہ فوج کو نقصان پہونچ جانے کا خطرہ تھا۔ اس نازک کام کو ہیرا لعل چٹرجی ایک بنگالی نے انجام دیا اور بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی "میر جعفر، میر صادق اور حکیم احسن اللہ خاں کے ساتھ غداروں کی فہرست میں اپنا نام بھی درج کرا لیا۔" اس بدبخت نے ۲۲ر مئی ۱۸۵۸ء کو اپنے سر پر چائے کی کیتلی رکھ کر ۹۳ر جمنٹ کو دریا پار کرایا۔

مچل لکھتا ہے:-

نکٹیا کا مورچہ جب سورج نکلا تو ہم بریلی سے ۵ میل دور نکٹیا (ندی) کے کنارے

پہونچ گئے تھے وہاں دُشمن (خان بہادر خاں) کی فوج پڑی ہوئی تھی"

انگریزوں کی دوسری فوج جانب غرب شہر بریلی کی طرف بڑھ رہی تھی لیکن اہالیانِ شہر کی خوش قسمتی سے وہ فوج قدرے تاخیر سے پہنچی لہٰذا خان بہادر خاں کو اپنے ممکنہ ذرائع نکٹیا کے مورچہ پر لگانے کا موقع مل گیا۔ مجاہدین نے پہلی صف توپوں کی قائم کی۔ اس کے بعد دو صفیں پیدل فوجیوں کی ایستادہ کیں اور نواب بنفسِ نفیس خود امدادی سپاہ کے ساتھ عقب لشکر میں کھڑے ہو گئے۔ صبح صادق سے جنگ شروع ہو گئی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ بندے میر خاں ولی داد خاں مالاگڈھ والے۔ شہزادہ فیروز شاہ وغیرہم نے حق مردانگی ادا کیا۔

مجاہدین کی جنگی چال

مچل اپنی یادداشت میں لکھتا ہے :۔

"دوپہر کے قریب ہم نے نکٹیا کو عبور کیا اور اگرچہ کچھ گولے آئے لیکن دُشمن (مجاہدین) نے ہمارے بڑھنے میں مزاحمت نہیں کی۔ ہم نے جھیل میدان میں قیام کیا اور اُس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ دُشمن نے مزاحمت کیوں نہیں کی؟" شہر کے مغربی جانب سے برگیڈیر جونز نے حملہ شروع کر دیا تھا۔ (مراد آباد کی جانب سے آمدہ فوج) دائیں جانب ۹۳ رجمنٹ۔ درمیان میں رسالہ بائیں جانب توپ خانہ۔ گرمی اس بلا کی تھی کہ رائفل کی نالیں آگ ہو رہی تھیں سکھ اور لائٹ انفینٹری آگے بڑھی تو سات سو پیادہ فوج (مجاہدین) نے اُن پر آتش باری شروع کر دی اور اُس وقت تین چار سو غازی "دین دین" کا نعرہ لگاتے ہوئے

حملہ آور ہوئے۔ سر کالن نے یہ دیکھ کر حکم دیا۔

"جونہی وہ آئیں یکجا ہو کر سنگینوں پر لے لو"۔

غازیوں کی ہیئت غازیوں کے بائیں ہاتھ میں ڈھال۔ دائیں میں تلوار زمین سے لگے ہوئے (تاکہ سنگینوں سے دفاع کر سکیں) تلوار کو ہوا میں اُچھل کر جُنبش دیتے ہوئے (دلیری کا مظاہرہ) انہوں نے انگریز سنگین بردار سپاہیوں کی پنڈلیوں پر وار کئے مزید تفصیل نہیں دی گئی۔ واضح رہے کہ یہ حملہ آور فوج کے ایک افسر کا بیان ہے۔

غازیوں کی جرأت! ایک غازی نے کرنل کیمران کو گھوڑے سے گرا لیا۔ گارڈز نے عین موقع پر پہونچ کر کرنل کی جان بچالی۔ دوسرے غازی نے جنرل وال پول کو اسی طرح گردن سے پکڑ کر گھوڑے سے نیچے گرالیا اور دو زخم بھی پہونچائے لیکن اس کی جان بھی ۴۲ ویں بٹالین کے دو سپاہیوں نے بچالی۔ تھوڑی دیر میں ۱۳۲ غازی ۴۲ ویں بٹالین کے جھنڈے کے نیچے (سامنے) ایک حلقے میں پڑے ہوئے تھے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

غازیوں کی جانبازی افسوس ہے کہ غازیوں اور عام مجاہدین کی جانبازی کے تفصیلی واقعات موجود نہیں ہیں تاہم ان سرفروشوں کی داستانیں

مٹتے مٹتے بھی تھوڑی بہت باقی رہ گئی ہیں جن کو پڑھ کر مجاہدین کی دلیری. جانبازی و جذبۂ ایمانی کا حقیقی اندازہ ہوتا ہے.

ایک غازی زمین پر مُردہ شکل وصورت بنائے پڑا تھا سر کالن نے غور سے دیکھا تو اندازہ ہوا کہ دم سادھے ہوئے ہے. ایک سپاہی کو حکم دیا کہ سنگین چلاؤ چونکہ غازی سبز ریشم کی مرزئی پہنے ہوئے تھا فوراً اُٹھا اور تلوار سونت کر حملہ آور ہوا اور اگر پیچھے سے ایک سکھ جمعدار اپنی تلوار سے وار نہ کرتا تو وہ ہائی لینڈر کو کاٹ ڈالتا. یہ غازی چند اشخاص کے علاوہ سب کے سب عمر رسیدہ تھے. اُن کی داڑھیاں سفید تھیں. سبز لباس. سبز عمامے اور سبز کمر بند باندھے ہوئے تھے اُن کے پاس ڈھالیں اور تلواریں تھیں لیکن تلواریں اس قدر تیز تھیں کہ بقول مجل بال کے بھی دو کر دیں.

بہادری کی عجیب مثال

"اُن میں ایک بست سالہ نوجوان بھی تھا نہایت قوی الجثہ. اس نے سامنے آکر پوری صف کو مخاطب کرکے کہا:۔ "جس میں ہمت ہو میرا مقابلہ کرے"

جب کوئی نہ نکلا تو اس نے خود ہی حملہ کر دیا اور کوارٹر ماسٹر سارجنٹ جونز پر قرابین چلائی لیکن نشانہ خالی گیا. جونز نے ریوالور چلایا. گولی کھا کر اس نے بندوق پھینک دی اور تلوار سونت کر حملہ آور ہوا پہلے بعض لوگوں نے خیال کیا کہ اس نوجوان کو جس کے چہرے پر سبزہ بھی نمودار نہیں ہوا تھا زندہ گرفتار

کر لیا جائے۔ اس نے شمشیر زنی کے ایسے جوہر دکھائے کہ مجبوراً اسے سنگینوں کی نوک پر رکھ لینا پڑا۔"

شاہزادہ فیروز شاہ کی جنگی چال!

اُس حملہ کے بعد باغیوں کا رسالہ فیروز شاہ شاہزادہ کی زیر کمان ہماری ریزرو رسد اور بار برداری پر حملہ آور ہوا۔ ایک سوار نے مسٹر رسل نامہ نگار لندن ٹائمز پر حملہ کیا اور اگر میں فوراً گولی نہ مار دیتا تو وہ رسل کا سر قلم کر چکا ہوتا۔ فیروز شاہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ ہمارے میگزین پر قبضہ کرلے لیکن برگیڈیر جونز نے اس شدت کا حملہ کیا کہ فیروز شاہ کو فوراً اس محاذ پر جانا پڑا چنانچہ فوج تو جونز کا مقابلہ کرنے چلی گئی اور غازی شہر کے بڑے بڑے مکانات میں پوشیدہ ہوگئے تاکہ گوریلا جنگ کرسکیں۔)

"۷ مئی کی صبح کو ہم شہر پر حملہ آور ہوئے ایک بڑی عمارت میں تقریباً پچاس روہیلہ غازی مقابلہ کیلئے کمر بستہ تھے چنانچہ ۹۳ رجمنٹ کی ایک کمپنی اس مکان کو گھیرنے کے لئے بڑھی اُن غازیوں کے پاس صرف ڈھال اور تلوار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ہمیں کچھ نقصان نہ پہونچا سکے۔ پہلے اس مکان پر کسی قدر گولہ باری کی گئی۔ اُس کے بعد سپاہی اندر

لہ یادداشت مچل صفحہ ۲۵۶ ص ۲۵۸

داخل ہوئے۔ ایک سپاہی ولیم میکڈانلڈ ایک کمرہ میں درآنہ چلا گیا۔ اُسے غازیوں نے ختم کر دیا؛

اس حملے میں انگریزی افواج کو اور بھی نقصان جان ہوا جس کی تفصیل مچل دانستہ چھپا گیا ہے مثلاً جمعدار ہنومان سنگھ شدید زخمی ہوا۔ جمعدار میر نور علی بھی بُری طرح زخمی ہوا۔ دفعدار بھگوان سنگھ نے اپنے باپ ہنومان سنگھ کا بدلہ مجاہد سپاہی سے لے لیا لہ

خلاصہ کلام تلوار اور بندوق کا کیا مقابلہ سب غازی شہید ہوئے البتہ ان لوگوں کا جذبۂ ایمانی اور جوشِ شہادت قابلِ داد ہے۔

فتح بریلی

مچل کا بیان ہے کہ

جونہی ہم (انگریز) اس مکان سے فارغ ہوئے۔ باشندگانِ شہر کا ایک وفد کمانڈر انچیف کے پاس آیا اور شہر تسلیم خم کر دیا۔ چنانچہ بریلی قتل عام سے محفوظ رہا (سراسر جھوٹ) دس بجے دن ہم نے کمر کھول دی اور اس شکستہ گرجے کے نزدیک پڑاؤ کیا جو مئی ۱۸۵۷ء میں تباہ کر دیا گیا تھا۔ خان بہادر خاں اور نانا صاحب دونوں نیپال کی طرف فرار ہو چکے تھے فیروز شاہ شاہجہانپور پر حملہ کرنے چلا گیا تھا؛

لہ ہندوستانی سپاہیوں کے بہادرانہ کارنامے اور انڈین آرڈر آف میرٹ مرتبہ P. P. HYLUR آرمی ڈپارٹمنٹ شملہ ۱۹۲۵ صفحہ ۱۴۷

مندرجہ بالا بیان کس حد تک درست ہے اس بارے میں قطعی یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ سین لکھتا ہے :-

"جنرل جونز ایک دن بعد پہونچا۔ شہر کے باہر اس کی فوج سے ایک پُل پر سخت جھڑپ ہوئی۔ خان بہادر اور ولی عہد بھی چلے گئے"۔

جس وقت شکست کے آثار کامل طور پر نمایاں ہو چکے تھے۔ سکھ فوجیوں نے بے قاعدہ فوج کی لائن پر قبضہ کر لیا۔ عین اسی لمحہ جانباز روہیلہ جوانوں نے جوابی حملہ کر کے سکھوں کو پیچھے ڈھکیل دیا اور مارتے کاٹتے ہوئے اتنے آگے بڑھ گئے کہ گورہ پلٹن سے دوبدو مقابلہ شروع ہو گیا جس کی مختصر کیفیت قبل ازیں بیان کی جاچکی ہے۔ منشی ذکاء اللہ دہلوی لکھتے ہیں :-

"ہر دفعہ ان (غازیوں) نے حق ادا کیا اپنی جانیں دیں اوروں کی لیں"۔

۵ رمئی ۱۸۵۸ء کی رات باشندگانِ بریلی کے واسطے بڑی خوفناک شب تھی۔ سارا شہر بھاگنے کے واسطے تیار تھا انتہائی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ جان و مال۔ آبرو۔ غرض کوئی چیز بھی محفوظ نہیں تھی۔ نواب خان بہادر خاں نے سخت پریشانی کے عالم میں گوریلا جنگ جاری رکھنے کا پروگرام بنایا اور خاص فدائیوں کی جماعت کے ساتھ جنگل میں نکل گئے۔

انگریزی فوج میدانِ جنگ میں فتح مند ہونے کے باوصف شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہ کرسکی کیونکہ اُن کو چپہ چپہ پر خونریزی کا خطرہ تھا۔ فوربس مچل کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ شہر قتل و غارت گری سے محفوظ رہا۔

"۷ مئی ۱۸۵۷ء کو مشرق و مغرب کی جانب سے انگریزی فوجوں نے شہر میں داخل ہو کر قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا اور اہالیان شہر کی وہ مشہور 'بھاگڑ' واقع ہوئی جسکی دردانگیز یاد آج تک لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے" لے

راقم کے پرنانا سید رحمت علی مرحوم و مغفور کی اُس وقت پندرہ سال کی عمر تھی انہوں نے ۱۹۴۴ء میں میرے سامنے بیان کیا کہ انگریزی فوج کی آمد سے کچھ لمحہ قبل ہم لوگ بھاگ کر شہر سے ۱۵-۱۶ میل دور پناہ گزین ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد واپس آئے تو مکان واقع محلہ ملوک پور بازداران کھدا پڑا تھا۔

راقم کی چچی سیدہ انیس فاطمہ بریلوی نے خاندانی بزرگوں کے چشم دید واقعات اپنی ایک قابل قدر تصنیف ۱۸۵۷ء کے ہیرو میں درج فرمائے ہیں۔ اُن واقعات سے بھی بریلی شہر کی المناک تباہی کی دردناک داستان پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے۔

واقعہ نمبر ۱:-

ہماری ایک بزرگ راہ میں بچھڑ کر میواتیوں کے ہمراہ

لے حیات حافظ رحمت خاں مولفہ سید الطاف علی بریلوی

چلی گئیں۔ ہنگامہ کے خاتمہ پر میواتی ان کو خود گھر پہونچا گئے۔ کافی خوبصورت تھیں۔ زیورات بھی پہنے ہوئے تھیں۔ اس وقت اُن کی عمر ۱۱ سال کی تھی۔ نہ کسی نے بُری نظر سے دیکھا اور نہ زیورات کو ہاتھ لگایا۔"

راقم نے ان بزرگ خاتون کو دیکھا تھا بڑھاپے میں بھی حسین معلوم ہوتی تھیں۔ غالباً اسی مناسبت سے اُن کا نام 'ولایتی بیگم' رکھا گیا تھا۔

واقعہ نمبر ۲:-

بالکل آخر میں جب نواب خان بہادر خاں بریلی چھوڑ کر نیپال کے جنگلوں میں چلے گئے اور اُن کی کوٹھی مسمار کر دی گئی اُس دن قیامت کا سماں تھا۔ تلنگے اور گورہ فوج مل کر مسلمانوں کو لوٹتے تھے۔ اُس وقت میرے پردادا بھی ذاتی طور پر سخت ابتلا کے دور سے گذرے تھے۔ خاندان کے اکثر نوجوان مجاہدین کی فوج میں بھرتی ہو کر مفقود الخبر ہو گئے تھے۔ عورتیں اور بچے بے یار ومددگار چند عزیزوں کے رحم وکرم پر دیہات میں پڑے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود معذور لوگوں کی کفالت کا بار اُٹھائے تھے۔ اُن کو بحفاظت اپنے مکان میں رکھ کر کچھ کھانے کا انتظام کرنا بھی اُن کے ذمّہ تھا۔ صبح اُٹھ کر میٹھے چاولوں کا ہنڈا چولھے پر چڑھا دیتے اور ایک بڑے تھال میں اُتار کر سب کو یکجا کر کے کھلا دیتے ایک کونے میں چھپّر کا پھونس جمع کر دیا تھا۔ جب تلنگوں کی آمد کا خطرہ ہوتا سب کو

اُسی میں چھپا دیتے۔ ایک روز چاول پکا رہے تھے کہ چند گورے مکان میں گھس آئے۔ اُن کو کچھ بن نہ پڑا تو مٹھیاں بھر بھر کر راکھ سر پر ڈالنے لگے گوروں نے یہ دیکھا تو دہشت زدہ ہو کر واپس ہو گئے۔ دیسی تلنگوں (سکھوں) نے اُن کو ٹوٹی پھوٹی اردو میں سمجھایا کہ یہ شخص کوئی 'ولی' معلوم ہوتا ہے جو ایسی ویران جگہ بے خوف یکہ و تنہا بیٹھا ہوا ہے۔"

سیدہ انیس فاطمہ بریلوی نے جن بزرگ کا ذکر کیا ہے اُن کا نام سید وزیر علی تھا۔ غدر کے بعد تک زندہ رہے۔ اُبلتے ہوئے شیرہ میں گر کر وفات پا گئے۔ راقم کے پر دادا سید اصغر علی مرحوم المتوفی ۱۹۴۲ء اور اُن کی ایک معمر بھتیجی نے ان واقعات کی راقم کے سامنے تصدیق کی تھی۔

بندے میر خاں کی سرگزشت یہ بزرگ نکٹیا کے مورچہ پر بڑی بہادری سے لڑے بالآخر روپوش ہو گئے اور بنارس میں ملازم رہے۔ ۱۸۷۲ء میں بریلی آئے شادی کی ایک صاحبزادہ نظیر خاں پیدا ہوئے سال بھر کے اندر گرفتار ہوئے۔ پھانسی کی سزا پائی۔ نظیر خاں صاحب کو راقم نے دیکھا ہے۔ اُن کے صاحبزادہ پی۔ آئی۔ اے کراچی میں ملازم ہیں۔ نام یاد نہیں رہا۔ مُصنّف تاریخ روہیل کھنڈ اُن کے متبنّیٰ تھے۔ نظیر خاں خوبصورت وجیہہ شخص تھے۔

باب (۱۵)

نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ کی شہادت

نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ، نواب خان بہادر خاں کے قریبی عزیز تھے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب ہنگامے دیکھے تھے لیکن بخوف جان و آبرو کھل کر کچھ نہیں لکھا البتہ اشارتاً کچھ نہ کچھ کہہ گئے ہیں۔ آپ کی کتاب تاریخ روہیل کھنڈ مطبع لٹریری سوسائٹی بریلی کی جانب سے ۱۸۷۷ء؁ میں شائع ہوئی تھی۔ اس اہم تصنیف کے چند ضروری اقتباسات حسب ذیل ہیں :-

"فیروز شاہ۔ ولی داد خاں رئیس مالاگڈھ تفضل حسین خاں رئیس فرخ آباد۔ نانا راؤ رئیس بھٹور۔ محمود خاں رئیس نجیب آباد معہ مانڈے خاں وغیرہ بریلی میں مجتمع تھے۔"

"فی الحقیقت اس لڑائی میں فیروز شاہ نے بڑی بہادری دکھائی۔ بعد دوپہر کے یہ خبر بریلی پہنچی کہ جانب غرب سے بھی

انجمن ترقی اردو کے کتب خانۂ خاص میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہے۔

انگریزی فوج آپہونچی۔ اس خبر کے سنتے ہی ساکنانِ بریلی نے راہ فرار اختیار کی اور فیروز شاہ وغیرہ کل باغی بسمیت محمدی علاقہ اودھ بھاگ گئے۔"

شرقی اور غربی فوجیں باشندگانِ بریلی کی خوش قسمتی سے وقت پر نہ پہنچ سکیں اور جدال و قتال کے بعد بھی اتنا وقت مل گیا کہ ساکنانِ بریلی مرد و زن ہندو مسلمان پا پیادہ بخوفِ جان جرنیلی (انگریزی) دیہات کو چلے گئے۔"

انگریزی فوج کے مظالم

"فوج غربی نے تاریخ ۲۱ رمضان ۱۲۷۴ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۵۸ء کو داخل ہو کر حکم غارت گری اور جرنیلی نافذ کیا۔ ضلاع روہیل کھنڈ میں باغیوں نے ایسی سخت سزائیں پائیں کہ اب ساکنانِ روہیلکھنڈ بغاوت کرنا تو ایک طرف کبھی بغاوت کا نام بھی زبان تک نہ لائیں گے۔"

جناب محمد شفیع اپنی مشہور کتاب ۱۸۵۷ء میں لکھتے ہیں:۔

"یہ مظالم جو دہلی میں گذرے اُن مظالم کا شمہ ہیں جو اودھ اور روہیل کھنڈ میں اُن ستم کاروں کے ہاتھوں سے انسانوں پر بیتے" "حقیقت یہ ہے کہ روہیل کھنڈ کے ان جانبازوں نے انگریزی استبداد کے مقابلہ میں ایسی مثال قائم کی کہ سارے ہنگامے میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔" (صفحات ۲۲۳ - ۲۵۸)

عدل وانصاف کے نام پر جو ظلم ہوئے اُن کا اندازہ حسب ذیل فیصلہ سے ہو سکے گا جس میں چند لائنوں میں قسمت کا فیصلہ کر دیا گیا۔

علّت بغاوت سرکار:۔

جو کہ ان دونوں مدعا علیہ نے آج شہر میں کمان افسر گالو متعینہ شہر پر بندوق چلائی اور اُسی وقت پکڑے گئے۔ یہ صریح بغاوت سرکار ہوئی۔ بہ پاداش اس کے سزا کامل ان مدعا علیہ کو ملنا چاہیئے۔ حکم ہوا:

ہر دو مدعا علیہ گولی سے جان سے مارے جاویں اُسی روز رفیع علی خاں اور اُن کے ساتھی گلاب گولی کا نشانہ بنائے گئے۔

(صفحہ ۳۱۱ ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا از مولانا امداد صابری)

سقوط روہیلکھنڈ کی داستان انگریز مصنّف کی زبانی!

مسٹر جے۔ سی۔ مارشمین لکھتے ہیں:۔

"اُس وقت شہر بریلی میں بیگم اودھ (حضرت محل) ناناصاحب شہزادہ فیروز شاہ اور دیگر باغی جمع ہو گئے تھے جو لکھنؤ سے نکل بھاگے تھے اس لئے تین دستے انگریزی فوج کے بھیجے گئے۔ ایک دستہ ۶ ہزار فوج کا جس کے ساتھ ہلکا اور بھاری میدانی توپ خانہ تھا۔ بر گیڈیر وال پول کی سرکردگی میں ایک چھوٹی سی گڑھی پر پہونچا جو لکھنؤ سے پچاس میل پر تھی جس پر سوائے اونچی چھانکیدار فصیل اور خندق کے اور کچھ نہیں تھا اور صرف چار سو باغی اس پر قبضہ کئے ہوئے تھے بجائے اس کے کہ اس کو بم سے اُڑا دیا جاتا۔ بر گیڈیر وال پول نے باوجود سرکمن

کی سخت ممانعت کے بھی اس کو ہلّہ بول کر فتح کرنا چاہا لیکن حملہ آوروں کو سو جانوں کا نقصان اُٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا اور مقتولین میں برگیڈیر آنریبل ایڈرین ہوپ بھی تھا جو فوج بھر میں عزیز ترین اور شجاع ترین سپاہی تھا اور اسکاٹ لینڈ کی کوہستانی فوج کا گویا دیوتا تھا۔ سب نے برگیڈیر والی پول کو اس نقصان پر خوب ہی دل کھول کر کوسا

اوائل مئی ۱۸۵۸ء تک سر کالن کے خاص دستوں نے بریلی کو آکر گھیر لیا اور یہ شہر معہ اپنے تمام ذخائر حرب کے بہت جلد تسخیر ہو گیا۔

اصل مال غنیمت ابھی ہاتھ نہ آیا یعنی باغی سردار معہ اکثر مسلح ہمراہیوں کے نکل بھاگے مگر سر ہوپ گرانٹ نے اُن کا تعاقب کیا اور اُن کی سولہ ہزار کی ایک جماعت کو جو نواب گنج کے ایک جنگل میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی حملہ کر کے سخت شکست دی۔[1]

---

[1] بحوالہ تاریخ ہند عہد برطانیہ از جے یسی مارشمین مترجمہ سید محمد عبدالسلام ایم۔ اے صفحہ ۶۳

باب (۱۶)

انگریزوں کی مسلم دشمنی

فاتح انگریز فوجیوں کو مسلمانوں سے شدید نفرت اور دشمنی تھی۔ اس بات کا اندازہ مندرجۂ ذیل واقعہ سے بخوبی ہو سکے گا۔

"بریلی میں بن بسے کے میدان میں جب ۱۸۵۷ء کا انقلاب زوروں پر تھا۔ وطن کی آزادی کے سرفروش دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ انگریزوں کو جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اس وقت جہاں پنجاب سے اور بہت سے سورما دہلی اور یوپی کے مختلف انقلابی مرکزوں میں فرنگی کی مدد کو پہنچے ہوئے تھے وہاں سوامی شردھانند (تحریک شدھی و سنگھٹن کے بانی) کے پتاجی رسالدار نانک چند اور رسالدار بھوپ سنگھ فرنگی میجر راول صاحب کی ماتحتی میں بریلی کے نزدیک بن بسے کے میدان میں سرنگا پ

آزادی سے برسرِ مقابلہ تھے۔ ایک دن شام کے وقت میجر راؤل کیمپ میں چارپائی پر بیٹھا ہوا رسالدار نانک چند اور رسالدار بھوپ سنگھ سے مصروف گفتگو تھا کہ یکایک چونک کر اس نے چلّانا شروع کیا "وہ دیکھو ایک سورنی کے ساتھ اس کے بچے جا رہے ہیں" دونوں رسالداروں نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو کہیں سورنی اور اس کے بچے نظر نہیں آئے انہوں نے میجر راول سے کہا جناب ہمیں تو کوئی سورنی اور اس کے بچے دکھائی نہیں دیتے"۔

دراصل ایک مسلم خاتون اور اس کے دو تین بچے کہیں جا رہے تھے۔ فرنگی میجر کو شک گذرا کہ یہ انگریزی فوج کا راز تو نہیں معلوم کر رہی[1]۔

خلاصہ کلام قابض افواج نے موجودہ بریلی کالج کی عمارت میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا اور اکتوبر ۱۸۵۸ء تک وہیں مقیم رہے۔ جب مولوی احمد اللہ شاہ نے شاہجہانپور میں انگریزوں کو شکست فاش دی تو بریلی سے امدادی فوج بسرکردگی جنرل جونز روانہ کی گئی۔ اب ہم روہیل کھنڈ کی بغاوت کے آخری مرکز شاہجہانپور کا حال بیان کریں گے۔

شاہجہان پور کا آخری مورچہ | ۳۰ر مئی ۱۸۵۷ء کو خان بہادر خاں اور تحریک

---

[1] مقالہ ۱۸۵۷ء از خان غازی کابلی اخبار مساوات۔ بریلی۔

آزادی کے دیگر لیڈر بریلی سے رُخصت ہو گئے۔ اُدھر لکھنؤ کی جنگ آزادی کے ہیرو مولوی احمد اللہ شاہ۔ بیگم حضرت محل [۱] کی شکست کے بعد ہتھیار ڈالنے یا پناہ گاہ ڈھونڈنے کے بجائے کسمنڈی ہوتے ہوئے باڑی پہنچے اور پھر شاہجہاں پور وارد ہوئے۔ شاہ صاحب نے شاہجہاں پور میں انگریزی فوج کو مار بھگایا اور بریلی کی افسوسناک شکست کی پوری طرح تلافی کر لی۔ اس معرکہ میں جنرل ہیل کو ہار تسلیم کرنا پڑی

مولوی احمد اللہ شاہ کی شخصیت!

جنگ آزادی کی تاریخ میں مولوی احمد اللہ شاہ ایک عظیم شخصیت کے مالک ہیں۔ شاہ صاحب کے متعلق میلسن لکھتا ہے:۔

مولوی صاحب کا یہ حملہ بالکل اچھوتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی یورپ کا جنرل لڑ رہا ہے:

"اب سر کالن بھی آپہونچا۔ اُدھر باغی فوجیں احمد اللہ شاہ کی مدد پر آگئیں۔ ۲ دن کے سخت ہنگامے کے بعد مولوی مع فوج اودھ بخیر و عافیت نکل گئے۔ اب یہ حالت تھی کہ کبھی اودھ کا علاقہ انگریزوں کے پاس اور کبھی روہیل کھنڈ مولوی کے پاس:"

"یہ مولوی ایک بہت بڑا تجربہ کار شخص تھا۔ کوئی شخص فخر کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں نے دو بار سر کالن کیمبل

---

[۱] بیگم حضرت محل کے مزید حالات کے واسطے دیکھو، ۱۸۵۷ء کے ہیرو از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی۔

کمانڈر انچیف کو میدانِ جنگ میں زک دی۔ مولوی احمد اللہ شاہ سچا محبِ وطن تھا اس نے کسی نہتے کا خون بہا کر اپنی تلوار کو خراب نہیں کیا تھا۔ اس نے بہادری کے ساتھ ڈٹ کر میدان میں بدیسیوں کے خلاف جنگ کی جنہوں نے ان کا وطن چھین لیا تھا۔ ہر ملک کے بہادر اور سچے لوگوں کو مولوی احمد اللہ شاہ کو عزت کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے"۔ ؎۱

خلاصہ کلام جب انگریزوں کی زبردست فوج شاہجہاں پور پہونچی شاہ صاحب شہر خالی کر کے چلے گئے۔ اُدھر انگریزی فوج کھلے میدان میں آنے کی جرأت نہ کر سکی۔ اور پُرانی جیل میں دھس بندی کر کے مورچہ زن ہو گئی۔ شاہ صاحب نے تین روز کے بعد پلٹ کر حملہ کر دیا اور یہ حملہ ۳ تا ۹ ر مئی ۱۸۵۸ء مسلسل جاری

؎۱ مولوی احمد اللہ شاہ ابتدائی دَور میں ہنگامہ آزادی میں شریک ہو گئے تھے اُن کی تقریروں میں دس دس ہزار کا مجمع ہوتا تھا۔ اُن کی ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ پولس نے انہیں گرفتار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حکومت نے انہیں فیض آباد جیل میں قید کر کے پھانسی کا حکم دیدیا تھا۔ اس پر فوج کے سپاہیوں اور عوام الناس نے جیل توڑ کر انہیں رہا کرا لیا اور وہ فیض آباد چھاؤنی پر قابض ہو گئے مگر انہوں نے انگریزوں کے ساتھ یہ شرافت کی کہ انہیں کشتیوں میں سوار کرا کے اور سامان رسد اور کچھ نقد دے کر روانہ کر دیا اور اُن کے حکم سے کوئی انگریز فیض آباد میں نہیں مارا گیا۔ تفصیل کے واسطے دیکھو مقالہ مولوی احمد اللہ شاہ از منشی انتظام اللہ شہابی مسلمانوں کا روشن مستقبل از مولوی طفیل احمد منگلوری سپاہیوں کی بغاوت از ڈاکٹر آر۔ سی مجمدار۔

رہا محصورین کی حالت بہت ابتر ہو گئی اور انگریز کوئی جوابی کارروائی کرنے سے قاصر رہے۔ اس عرصہ میں فیروز شاہ شاہزادہ اور حضرت محل کی فوجیں بھی میدان میں آگئیں۔ ۱۵ رمئی ۱۸۵۸ء شاہ صاحب نے وہیں پر سخت حملہ کیا مگر جنرل جونز ثابت قدم رہا۔ ۱۸ رمئی ۱۸۵۸ء سر کالن کیمبل مزید امدادی فوج لیکر شاہجہاں پور پہونچ گیا۔ اب شاہ صاحب نے اپنا مستقر قصبۂ محمدی بنا لیا اور باضابطہ حکومت قائم کرلی۔ جنرل بخت خاں وزیر دفاع۔ امیر المجاہدین مولوی سرفراز علی قاضی القضاۃ نانا راؤ پیشوا دیوان مقرر ہوئے۔ اراکین کونسل میں مولوی لیاقت علی الہ آبادی۔ ڈاکٹر وزیر خاں اکبرآبادی اور مولوی فیض احمد بدایونی شامل تھے[1]

فیروز شاہ شہزادہ نے پہلے اس کابینہ کی مخالفت کی لیکن موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے مشترکہ محاذ میں بہ طیب خاطر شرکت کی ٹھان لی۔ کہا جاتا ہے کہ مولوی احمد اللہ شاہ نے اپنا سکّہ بھی جاری کیا تھا جس پر حسب ذیل شعر مسکوک تھا ؎

زد بر ہفت کشور خادم محراب شاہ
حامیِ دینِ محمد احمد اللہ بادشاہ

زبردست کشمکش کے بعد بالآخر ۵ رجون ۱۸۵۸ء کو جگن ناتھ سنگھ راجہ آف پوائیں اور اُس کے بھائی بلدیو سنگھ کی سازش کے نتیجہ میں مولوی احمد اللہ شاہ دعوت کے بہانے اُس کی گڈھی کے سامنے بندوقوں کا نشانہ بنائے گئے۔ سر کاٹ کر لاش پھونک دی گئی۔ راجہ کو اس عظیم غداری کے صلہ میں صرف پچاس ہزار کی رقم ہاتھ آئی

[1] مولانا فیض احمد از محمد ایوب قادری ایم اے [2] باغی ہندوستان از مولوی عبدالشاہد خاں شیروانی

مولانا سید طفیل احمد منگلوری مرحوم نے سر کے مدفن پر یادگاری پتھر لگوادیا تھا وہ اب بھی موجود ہے۔

نواب خان بہادر خاں کا انجام

بریلی سے نکل کر نواب خان بہادر خاں نے تھوڑے سے مجاہدین جمع کئے اور فتح گنج کے قریب کیمپ قائم کیا غداروں نے انگریزوں کو اطلاع دیدی۔ انگریزی فوج نے شب خون مارا اور سخت مقابلہ کے بعد نوابی افواج منتشر ہو گئیں انگریزوں کا مقصد پھر بھی پورا نہ ہوا اور خان بہادر خاں اُن کے چنگل سے بچ نکلے اور انہوں نے کمایوں کے گھنے جنگلات میں گوریلا جنگ شروع کردی۔

۱۸۵۹ء میں زیر دامن کوہ نیپال خان بہادر خاں ایک لڑائی میں پشت اسپ سے گر کر گرفتار ہوئے اور لکھنؤ لائے گئے[۱]

مندرجۂ بالا مصدقہ واقعہ کی مسٹر مچل اپنی یادداشت میں تکذیب کرتا ہے

"خان بہادر کو بریلی پولس نے جون ۱۸۵۸ء میں گرفتار کیا اور انہیں میری موجودگی میں کوتوالی کے سامنے پھانسی دی گئی غالباً جولائی کے پہلے ہفتہ میں"

"ہماری ۹۳ رجمنٹ ڈبلیو سی میکڈانلڈ کے پاس ایک جاسوس قسم کا آدمی طاہر بیگ نامی تھا جو جنگ کریمیا میں اُنکے

---

[۱] بحوالہ حیات حافظ رحمت خاں از سید الطاف علی بریلوی [۲] قیصر التواریخ جلد دوم از کمال الدین حیدر

ہاتھ لگ گیا تھا۔ اللہ جانے ترکی تھا یا ارمنی یا بلغاری۔ کئی زبانیں جانتا تھا اس نے بہت سے نامور باغیوں کو گرفتار کر کے اپنی حسن کارکردگی کا ثبوت دیا چنانچہ خان بہادر خاں کو بھی اس شخص نے گرفتار کیا تھا“[۱]

ایک دوسری روایت نواب خان بہادر خاں کی بریلی شہر میں گرفتاری کی مندرجۂ بالا روایت غلط معلوم ہوتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسٹر مچل نے اپنی یادداشت کافی عرصہ کے بعد تحریر کی ہے کیونکہ نواب کو پھانسی مارچ کے آخر یا اپریل کے شروع ہفتہ میں ہوئی تھی صحیح تاریخ کی تحقیقات ممکن نہیں ہوئی۔ ہوسکتا ہے کہ نواب کو پھانسی مسٹر مچل کی موجودگی میں دی گئی ہو اور محض تاریخ کا سہو ہوا ہو لیکن یہ کہنا کہ گرفتاری طاہر بیگ نامی جاسوس نے کی سراسر غلط ہے مصنّف تاریخ اودھ سید کمال الدین حیدر قیصر التواریخ صفحہ ۳۶۹ پر لکھتے ہیں:۔

”نواب خان بہادر خاں رئیس و حاکم مستعار بریلی کے پہاڑی جنگل (کمایوں ڈویژن) میں گیارہ آدمیوں کے ساتھ چھپے ہوئے تھے۔ کسی گوئندے (مخبر) نے جاکر خبر کی۔ جنگ بہادر (ریاست نیپال) سپہ سالار اُن کے پاس آئے۔ اُن سے مقدمہ خون پوچھا۔ بہت سی تشفی کی۔ بیلی صاحب کے سپرد کر دیا۔

---

[۱] یادداشت مچل صفحہ ۲۶

انہوں نے چاہا کہ اپنے تیئں ہلاک کر دیں۔ صاحب نے کہا کہ
"ہم نے تمہیں امان دی خاطر جمع رکھو، جب لکھنؤ میں
روبکاری ہوئی تو حکم ہوا کہ تمہاری روبکاری خاص بریلی میں
ہوگی چنانچہ سوار و پیدل کے پہرہ میں مُقید ہو کر بریلی لائے گئے
حُکّام نے بعد روبکاری پھانسی تجویز کی۔"

اس ضمن میں سب سے زیادہ وقیع شہادت نواب نیاز احمد خاں ہوشش مُصنّف تاریخ روہیل کھنڈ کی ہے۔ نواب صاحب کا بیان بوجہ قرابت داری نواب شہید بلاشبہ صحت پر مبنی ہے :۔

"خان بہادر خاں بھی علاقۂ نیپال سے گرفتار ہو کر آئے۔
بعد تحقیقات کے اور ثبوت جرم قتل انگریزوں کے تاریخ پہلی
رمضان ۱۲۷۶ھ روبرو کوتوالی کے جہاں انگریز قتل کئے گئے
تھے پھانسی پائی۔۔۔۔ زہے خوش نصیبی!"

آخری فقرہ قابل غور ہے انگریز کے خوف سے مُصنّف تفصیلی طور پر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا تھا لیکن نصاریٰ کے ہاتھوں درجۂ شہادت حاصل کرنے پر زہے خوش نصیبی لکھ کر خراجِ عقیدت پیش کرنے سے باز نہ رہ سکا۔

(صفحہ ۷۳، تاریخ روہیلکھنڈ)

سوبھا رام کا انجام نواب خان بہادر خاں کے وفادار ساتھی دیوان سوبھا رام اور

اُن کے فرزند ہوری لعل علاقۂ اودھ سے گرفتار ہوکر آئے اور کالے پانی کی سزا پائی۔
یہ کائستھ شریف زادہ نوادہ جوگیاں بریلی کے رہنے والے اور سچے محبِ وطن تھے
آخروقت تک نواب موصوف کے ہمدم اور ہمراز رہے۔

ایک تبصرہ سیٹن خطوط بنام سکریٹری شمال مغربی صوبہ کے حوالے سے لکھتا ہے
"خان بہادر خاں کو اپنی خواہش کی قیمت اپنی جان سے
دینا پڑی۔ اُن پر مقدمہ چلایا گیا۔ الزام عائد کیا گیا اور پھانسی
دیدی گئی۔ انہوں نے اس امر کی بیکار پیروی کی کہ اگر وہ مجرم ہوتے
تو ہتھیار نہیں ڈالتے (خان بہادر نے ہتھیار نہیں ڈالے) اُنکے
خلاف شہادتیں بہت مضبوط تھیں۔ رانی جھانسی اور بیگم اودھ
کے برخلاف وہ برطانوی رعایا تھے اور اگرچہ ہر شخص کو اپنے ملک
کی سیاسی آزادی کے واسطے جدوجہد کرنے کا حق ہے لیکن ناکامی
کی سزا بہرحال موت ہوتی ہے۔ اس کے معتمد اعلیٰ وخازن سوبھا رام
کو عمر قید کی سزا ہوئی۔ ایک معذور آدمی کے واسطے یہ سزا موت
سے بھی بدتر تھی۔ اس کو مولمین (برما) بھیجا گیا"۔

باب (۱۷)

مقدمہ کی روداد

نواب خان بہادر خاں کے مقدمہ کی تفصیل حاصل نہ ہوسکی البتہ خال خال واقعات معلوم ہوسکے ہیں۔ فی الحال اُن پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ جب نواب گرفتار ہو کر بریلی لائے گئے اور چیف کمشنر کی عدالت میں پیش ہوئے تو زمین پر بیٹھ گئے اور کہا کہ

"مدتوں کرسی پر بیٹھے اب قیدیوں کی جگہ بیٹھنا چاہیئے"

لیکن چیف کمشنر نہ مانا اور فرمایا کہ

"نواب صاحب! آپ کرسی پر بیٹھیں"

خان بہادر کے انکار کرنے پر صاحب موصوف نے بغلوں میں ہاتھ ڈلوا کر کرسی پر بٹھا دیا۔ وقتِ بازپرس نواب نے نہایت جرأت مندانہ تقریر کی اور لجاجت سے کام نہیں لیا۔ مثلاً اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "میں نے ازخود بغاوت پر کمر نہیں باندھی۔ فوج سرکار انگریزی

باغی ہوگئی اور جو جس ملک کا دعویدار تھا اسی کو رئیس گردانا چونکہ بریلی شاہجہانپور اور پیلی بھیت وغیرہ یعنی کل روہیلکھنڈ ہمارا ملک موروثی تھا اس وجہ سے بخت خاں اور جملہ رعایا نے مجتمع ہو کر مجھ کو مسند نشین کیا۔ جس وقت آپ صاحبان نے فوج کے ظلم سے مجبور ہو کر ملک چھوڑ دیا تب میں نے اپنا قبضہ کیا۔ باقی باغیوں کی روک تھام اس دم میرے اختیار میں نہ تھی۔ انہوں نے جو چاہا سو کیا۔ بعد ازاں لڑائیاں جابجا سر میدان میری اور آپ کی فوج سے ہوئیں اُن میں طرفین کا کشت و خون ہوا۔ اس میں میری کیا خطا؟" [۱]

نواب خان بہادر کی طرف سے مولوی دائم علی وکیل تھے۔ اس مقدمہ میں متعدد قانونی سقم تھے۔ یقین ہے کہ نواب نے اپنی اعلےٰ قانونی قابلیت کی بناپر خوب خوب بحث کی ہوگی۔ اس امر کا ثبوت تواریخ اودھ کی ایک روایت سے ملتا ہے:۔

"حکام نے بعد روبکاری پھانسی تجویز کی۔ حکم سُنایا۔ اور یہ بھی کہا کہ ہم اپنی تجویز لفٹنٹ گورنر کو لکھتے ہیں جیسا وہ حکم دیں۔ عرض کیا "میرے سب اظہار بھجوا دیجئے۔ اُن کا ایک گواہ

---

[۱] حیات حافظ رحمت خاں

[۲] تواریخ اودھ صفحہ ۳۶۹ از مولوی کمال الدین حیدر

بھی بھاگ گیا (خان بہادر کا) دوسرا حوالات میں رہا۔
(انگریزی ظلم وستم کا شکار) قصہ مختصر آخر حکم پھانسی آیا۔
سوبھارام جو اُن کا نائب تھا اسے بھی پھانسی ملی (غلط ہے
عمر قید ہوئی)

نواب خان بہادر خاں چونکہ انتہائی جدوجہد کے بعد گرفتار ہوئے تھے اور کافی اونچی شخصیت کے مالک تھے اس لئے سارے ملک میں خاموشی کے ساتھ اُن کے مقدمے میں دلچسپی لی جارہی تھی۔ اگرچہ خوف و دہشت کی بنا پر ہمدردی کا ایک لفظ بھی زبان سے نکالنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا اس دور کی جملہ یادداشتیں اس امر کی گواہ ہیں۔ انگریزوں کی اندھا دُھند حمایت کرنیوالوں کی زبان اور قلم آزاد تھے۔ اودھ اخبار کا ایک بوسیدہ فائل لکھنؤ یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے اس میں خان بہادر کے مقدمہ سے متعلق جو خبریں شائع ہوئی تھیں وہ درج ذیل ہیں[۱]:۔

۱۰ فروری ۱۸۶۰ء

"اخبارات انگریزی سے معلوم ہوا کہ خان بہادر خاں بریلی والے کی نسبت ثبوت جرم ہو گیا اور اس کے پروانے اور حکم نامے مشتمل نقصان وقتل رعایائے انگریزی پائے گئے

---

[۱] بحوالہ کتاب سرشار کی ناول نگاری از ڈاکٹر لطیف حسین ادیب شائع کردہ انجمن ترقی اُردو۔ کراچی

اور اس کے سرگروہ ہونے میں کسی کو محلِ شبہ نہیں۔ بہت جلد اپنی سزا کو پہنچنے والا ہے۔

(افسوس ہے کہ عزتِ قومی کس قدر ختم ہو چکی تھی)

۱۵ر فروری سنہ ۱۸۶۰ء

"اس (خان بہادر خاں) کی روبکاری اختتام کو نہیں پہنچی۔ مسٹر رابرٹ کمشنر روہیل کھنڈ اور مسٹر ونیلی ٹاٹ جج بریلی اور شکسپیر صاحب قائم مقام جج مراد آباد اور مسٹر لوفنس اسسٹنٹ مجسٹریٹ بریلی چاروں حاکم تحقیقات کر رہے ہیں یقین ہے کہ ہفتہ عشرہ میں حکم آخر ہو جائے"

۴ر اپریل ۱۸۶۰ء

"اخبارات اس نواح سے معلوم ہوا کہ اس شخص (خان بہادر خاں) کو کوتوالی کے سامنے پھانسی ہوئی اور جس وقت کہ وارنٹ پھانسی سنایا گیا اس وقت اپنے گناہوں کو یاد کر کے بہت رویا اور بدطینتی سے بکنے لگا کہ اس شخص نے ہزار ہا انگریزوں کو قتل کیا اور اگر نہ گرفتار ہوتا تو اب جس قدر انگریز قابو چڑھتا قتل کرتا اگر حضرت ایسے ہی جوانمرد ہوتے تو آج کے دن دو گز رسی سے کام نہ پڑتا۔"

مندرجۂ بالا فقرہ رستے ہوئے زخموں پر نمک چھڑکنے کے مصداق ہے غدارانِ وطن کیسہ لیس اور موقع پرست ہمیشہ اور ہر دور میں یہ ہی وتیرہ اختیار کرتے ہیں۔ ذرا ایک ایسے شخص کا تصوّر تو کیجئے جو اپنے سب سے بڑے مقصدِ حیات میں ناکام ہو چکا ہے۔ تختۂ دار سامنے ہے۔ چند منٹ بعد موت اس سے ہمکنار ہونے والی ہے۔ ایسے ماحول میں ذہن و دماغ کا شدید کشمکش میں مبتلا ہو جانا ایک قدرتی امر ہے۔ کبھی ملک و قوم کی عظیم تباہی اور بربادی کا تصوّر قائم ہوتا ہے کبھی دوستوں عزیزوں۔ بیوی بچوں۔ قبیلہ برادری کا دھیان آتا ہے۔ ایسی حالت میں ایک مردِ مجاہد و فورِ جذبات سے چشم پُرآب ہو جائے تو یہ کون تعجب کی بات ہے۔ یہ بُزدلی کا مظاہرہ ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نواب خان بہادر خاں نے مروجہ تاریخوں کے مطابق پھانسی کے وقت ہاتھ بندھوانے سے بھی انکار کر دیا تھا اور مردانہ وار خود پھانسی کے تختہ پر چڑھ گئے تھے۔ مصنف تاریخ اودھ لکھتا ہے:-

"جب نواب کو چوک میں پھانسی کو لائے خلقت شہر کی جمع تھی صاحب کمشنر معہ اور صاحبان عالی شان بھی آئے تھے۔ نواب سے اور صاحب کمشنر سے خوب تقریر ہوئی۔ جب صاحب کمشنر خاموش ہوئے نواب نے کہا "اب دیر لگانا کیا ضرور ہے حکمِ حاکم مرگِ مفاجات!"

حسب دستور جلّاد نے نواب کی مشکیں باندھ کر کپڑے اُتارنے

کو پوچھا۔ منع کیا۔ فرمایا ایک اُن کا ہاتھ کلکٹر صاحب اور دوسرا اور صاحب تھام لیں۔ یہ فرما کر چلّا کر روئے اور تیار ہو کر جلد چلے گئے۔ جب پھانسی دے چکے ورثا، نواب صاحب نے نعش طلب کی۔ جواب دیا کہ تم اسے شہید بنا کر میلہ کیا کرو گے۔ ہمارے لئے باعثِ تکلیف ہوگا۔ بعد اس کے قلعہ میں گڑوا دیا۔"

مندرجۂ بالا عبارت اس شخص کی تحریر کردہ ہے جو سوفی صد انگریز کا آدمی تھا۔ ظاہر ہے کہ نواب خان بہادر خاں اگر انگریز سے مرعوب ہو گئے ہوتے تو کمشنر سے دو بدو باتیں نہ کرتے۔ "نواب سے اور صاحب کمشنر سے خوب تقریر ہوئی"۔ یہ فقرہ قابل غور ہے۔ اپنی جان تو جانور کو بھی پیاری ہوتی ہے۔ پھر کسی قیدی کا حاکم سے خود کہنا کہ "دیر کیوں کرتے ہو جو ظلم و ستم کرنا ہے کرو" ؎

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

یہ دلیرانہ طرزِ عمل صرف جوانمردوں اور بہادروں کا ہوتا ہے اور مردانِ حق ہی ایسے مواقع پر دلیری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آخر میں ہاتھ بندھوانے سے انکار اور تختۂ دار پر خود چڑھ جانا۔ حیرت انگیز قوت، صبر اور جرأت کی دلیل ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے قوم فروش خوشامدی گروہ کو یہ سب باتیں محسوس نہیں ہوئیں۔ یہ صورتِ حال ہمیشہ پیش آتی رہی ہے اور آتی رہے گی! "رہے نام اللہ کا"!

باب (۱۸)

خان بہادر خاں کا مزار

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نواب خان بہادر خاں کی نعش کون سے قلعہ میں گڑوا دی گئی آیا قلعہ فورٹ ولیم (کلکتہ والا نہیں بلکہ معنی گردی ۱۸۱۶ء کی یادگار (قلعہ) میں یا محلہ قلعہ بریلی کی کسی کھائی میں! سیّد الطاف علی بریلوی نے مُصدّقہ عینی شہادتوں کی روشنی میں لکھا ہے:-

"پھانسی کے بعد لاش کو مسلمان سپاہیوں نے ڈسٹرکٹ جیل بریلی میں دفن کر دیا خاکسار مؤلف (حیات حافظ رحمت خاں) کے ایک بزرگ خاندان نے جو دفن کے وقت موجود تھے خان بہادر خاں کی لاش کو قبر میں بغیر کفن کے رکھتے ہوئے دیکھکر اُن کے چہرہ پر اپنا رومال ڈال دیا تھا۔"

دُنیا کا عجب کارخانہ دیکھا
یکساں نہ کبھی رنگ زمانہ دیکھا

گردش میں تھا جن کے سر پہ چتر زرّیں
تُربت پہ نہ اُن کی شامیانہ دیکھا!

یادگاریں نوّاب خان بہادر خاں کو دس ماہ کا مختصر زمانۂ حکومت ملا تھا۔ اس لئے وہ کوئی خاص عمارت تعمیر نہ کر سکے تاہم انہوں نے چند ضروری کام انجام دیئے۔ سب سے پہلے اپنے نامور دادا حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے مقبرہ کی مرمّت کرائی۔ اپنی قیام گاہ کے قریب محلہ بھوڑ میں سرِ راہ مسجد تعمیر کرائی جو اب تک موجود ہے۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں راقم کو خان بہادر خاں کی تعمیر کردہ مسجد کو غور سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ مسجد ایک بلند چبوترہ پر بنی ہوئی ہے! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہنگامی صورتِ حال کے پیشِ نظر شاندار مسجد کے منصوبہ کو ترک کر دیا گیا ہوگا جس کا ثبوت مسجد کے دو میناروں کی بنیادیں ہیں جو زمین سے ۸-۱۰ فٹ بلندی پر لے جا کر چھوڑ دی گئی ہیں۔ اس مسجد میں کوئی کتبہ موجود نہیں ہے جس سے مزید روشنی پڑ سکے۔ موجودہ عمارت بالکل عارضی دکھائی دیتی ہے۔ خان بہادر خاں کی کوٹھی اور مسجد کے درمیان کوئی نصف فرلانگ کا فاصلہ ہوگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوٹھی سے ملحق شاندار باغ ہوگا جس میں سرِ راہ مسجد کے واسطے جگہ نکالی گئی ہوگی۔ جب ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے اختتام پر خان بہادر خاں کی کوٹھی لٹی تو یہ علاقہ خان بہادر خاں کا کھیڑا کہلانے لگا۔ جو لوگ روہیل کھنڈ کی زبان و محاورات سے واقف ہیں اُن کو معلوم ہے کہ کھیڑا کا لفظ تباہ شدہ یا

امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں خراب خستہ جگہ کو کہتے ہیں۔ کھیڑا خان بہادر اور مسجد کے درمیان ایک وسیع و عریض قبرستان قائم ہو گیا جس میں راقم کے پردادا سید اصغر علی دادا سید اسحاق علی۔ والد سید اشفاق علی۔ والدہ وغیرہ محوِ خواب ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد قبرستان کے مختلف گوشوں پر شرنارتھیوں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے خدا معلوم سیاسی آویزشوں میں بزرگوں کی ہڈیاں بھی محفوظ رہ سکیں گی یا نہیں۔

نواب خان بہادر خاں کی کوٹھی کے وسیع کھنڈرات پر اب شاندار عمارات کسی غیر مسلم نے تعمیر کرائی ہیں یقین ہے کہ انگریزی فوجوں نے نواب کے ساز و سامان کتب خانہ وغیرہ کو برباد کر دیا ہوگا۔ رہے نام اللہ کا!

علمی یادگاریں

نواب خان بہادر خاں بہت اچھے شاعر تھے۔ شاعری میں جرأت سے تلمذ تھا۔ معروف تخلص تھا۔ جرأت اُن کے چچا نواب محبت خاں محبت کی سرکار میں ملازم تھے۔ نواب خان بہادر کے چچا زاد بھائی نواب منصور خاں مہر ابن نواب محبت بھی جرأت ہی کے شاگرد تھے۔ مہر بھی صاحبِ دیوان تھے۔[1]

معروف کا دیوان لاپتہ ہے۔ پہلے ایک غیر مصدقہ اطلاع کے مطابق دیوان کا ایک نسخہ مولانا حسرت موہانی کے ذخیرۂ کتب لکھنؤ یونیورسٹی میں موجود ہے۔

ڈاکٹر لطیف حسین ادیب (بریلوی) کا بیان ہے کہ دیوان محفوظ ہے اور وہ اس تک رسائی کی کوشش کر رہے ہیں۔

۱؎ لکھنؤ کا دبستان شاعری از ابواللیث صدیقی و نقوش سلیمانی از سلیمان خان اسد۔

بعض تذکرہ نویسوں نے نواب خان بہادر خاں کی شاعرانہ حیثیت کا اعتراف کرتے ہوئے اُن کا ذکر اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ مثلاً عبدالغفور نسّاخ اپنی کتاب سخن شعراء میں لکھتے ہیں :۔

"معروف تخلص نواب بہادر خاں ولد نواب ذو الفقار خاں ابن حافظ رحمت خاں صوبہ دار کٹھیر باشندہ بریلی صاحبِ دیوان گذرے"

سیّد محسن علی محسن یکے از تلامذہ خواجہ وزیر لکھنوی نے اپنی کتاب سراپا سخن میں شعرائے کے حالاتِ زندگی انتہائی اختصار کے ساتھ لکھے ہیں اور محبوب کے سراپا کے سلسلہ میں جملہ شعراء کے اشعار جمع کئے ہیں۔ اس کتاب کی فہرست نمبر ۵۲۸ پر نواب خان بہادر خاں کا ذکر ہے۔

گارساں وتاسی مشہور فرانسیسی مؤرخ نے اپنی کتاب تاریخ ادبِ ہندوستان میں نمبر ۲۲۱۹ پر نواب خان بہادر خاں کا حوالہ دیا ہے [۱]

نواب خان بہادر خاں کی ایک غزل حیاتِ حافظ رحمت خاں اور تذکرہٗ شمیم سخن کے توسط سے دستیاب ہوئی ہے۔ وہ درج ذیل ہے :۔

تا حشر اب خیال نہ تیرا کریگا دل ۔۔۔ تو اس کو مل گیا تو مرا کیا کریگا دل

جان و جگر تو نام کو باقی نہیں ہے ۔۔۔ کیونکر اب اس کی زلف سے سودا کریگا دل

---

[۱] بحوالہ تذکروں کا تذکرہ صفحہ ۲۲۱ نگار کراچی سالنامہ ۱۹۶۴ء
۵۲ " " " صفحہ ۱۶۴ " " "

جان و جگر کے واسطے دیکھو کہ دوستو
کن کن خرابیوں کو نہ برپا کریگا دل

شانے کی طرح اور بھی ہوئیگا چاک چاک
جیوں جیوں کہ اسکی لف سنوارا کریگا دل

معروف دیکھ! پیروی دل نہ کیجیو
میری طرح سے تجھ کو بھی سوا کریگا دل

نواب خان بہادر خاں اعلےٰ پایہ کے مصنف بھی تھے۔ افسوس ہے کہ اُن کی صرف ایک کتاب ہم تک پہنچی ہے۔ اس کتاب کا نام مقاصد الصالحین ہے۔ اسکی دریافت کا سہرا قاری بشیر الدین پنڈت ایم۔ اے کے سر ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ قاری صاحب کو قاضی جیدر حسین صاحب کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا تھا۔ قاضی صاحب کے جدا مجد قاضی سرفراز علی صاحب شاہجہانپور یو۔ پی کے مقتدر جاگیر دار تھے۔ جنگ آزادی میں حصّہ لینے کی پاداش میں انڈمان بھیجے گئے، چار برس بعد ایک کارنمایاں کے سبب رہائی پائی۔ ۱۰ر جولائی ۱۸۷۶ء کو وفات پائی۔ مرحوم شاعر بھی تھے غلطی سے اُن کو گورکھپوری لکھدیا گیا ہے۔ اصل کتاب ۱۸۵۴ء کی تحریر کردہ معلوم ہوتی ہے۔ ہم کو یہ معلومات قاری بشیر الدین صاحب کے ایک مضمون سے حاصل ہوئیں۔ جو خان بہادر خاں کی اس تصنیف سے متعلق ۶۰ء میں رسالہ العلم، کراچی میں شایع ہوا تھا۔

قاری صاحب کتاب کے طبع شدہ نسخہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"سرسری طور پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوا کہ مطبوعہ نسخہ زبان و بیان دونوں اعتبار سے قلمی کے مقابلہ میں کچھ

مختلف ہے۔ طابع وناشر کے پیشِ نظر جو نسخہ رہا ہے اس میں یا تو نواب خان بہادر خاں شہید کا نام محذوف ہے یا خود ہی اسے حذف کر دیا اس لئے کہ طباعت جنگِ آزادی کے ۵۰ سال کے بعد کی ہے جبکہ شہید نواب کا نام لینا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا۔ کجا نام کی اشاعت۔ بہر کیف ناشر کی اتنی خدمت مستحسن ہے جو اس نے ایک نایاب تصنیف "مقاصد الصالحین" کے ہی نام سے شائع کر کے ضائع ہونے سے بچالی قلمی نسخہ کا سائز ۲۶×۲۰/۸ ہے۔ کاغذ بانس کا درمیانی لیکن مضبوط قلم اوسط درجہ کا بخطِ بے ربط، ۱۲۹ صفحات پر مشتمل ہے نسخہ مجموعی طور پر اچھی حالت میں ہے۔ شروع کے دو ورق کرم خوردہ، باقی اوراق پر بھی کیڑوں نے دانت مارا ہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے سنہ کتابت ۱۲ شعبان المعظم یوم شنبہ ۱۲۷۰ھ یعنی جنگِ آزادی سے ٹھیک ۳ سال پہلے جیسا کہ مخطوطہ کی آخری سطور سے ظاہر ہے"۔ [1]

کتاب کی قدر و قیمت "میرے نزدیک اس (کتاب) میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ہم کو ایسی داخلی شہادتیں ملتی ہیں جو نواب خان بہادر خاں

۱ـ مقاصد الصالحین کے دو مختلف مطابع کے طبع شدہ دو نسخے محمد ایوب قادری صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

شہید کے ذاتی کیرکٹر اور اُن کی بے لاگ خدمات پر روشنی ڈالی ہے
اس نسخہ میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے انبیاء کرام اور علماءِ سنت
کی آپ بیتی روایات و حکایات درج کی گئی ہیں جو سب کی سب نہایت
سبق آموز۔ ایمان کو تازگی اور روح کو بالیدگی بخشنے والی ہیں۔
مصنّف علیہ الرحمۃ نے جگہ بہ جگہ خلوصِ قلب کے ساتھ دُعا مانگی
ہے جو دو طرح کی ہے ایک مجموعی جس کا تعلق عامۃ المسلمین سے
ہے اور دوسری خصوصی جس کا تعلق مصنف کی اپنی ذات
سے ہے اور جس میں وہ کسی کا اشتراک پسند نہیں کرتے"۔
ذیل میں کتاب مذکور کے چند اقتباس پیش کرتا ہوں:۔

ابتدائیہ ہزاروں حمد اور لاکھوں شکر اس خلاقِ اکبر کو کہ انبیاء علیہم السلام
اور اولیاء ذوالاحترام کے تئیں واسطے رہنمائی گمراہوں کی مبعوث
فرمایا اور درود نامحدود بخلاصۂ موجودات کہ نور باسرور جس سے
ظلمات کفر اور نفاق مرتفع ہو کر آفتاب ہدایت نے جہان کو روشن
کیا ایسی ہی رحمتِ کامل او پر روح پُر فتوح اہل بیت اور صحابۂ
والانصاب اور اولیائے عالی جناب اور علماء فضیلت اکتساب
کہ شمع ارشاد اور اجتہاد اُن کی سے تاریکی دلوں میں نورِ ایمان
سے مبدّل ہوئی۔ بعد اس کے بندہ گنہگار خان بہادر خاں ابنِ

محمد ذوالفقار خاں خلف حافظ الملک حافظ رحمت خاں شہید مغفور چند حکایات بزرگان سلف کی معتبر کتابوں سے زبان ہندی میں بیان کرتا ہوں تاکہ خواندہ اور ناخواندہ اس دستور العمل سے فائدہ حاصل کریں۔ یہ نسخہ معنون ہی اوپر مقاصد صلحا کے ہے اس واسطے مقاصد صالحین نام رکھا اور اس مقصد سے ترتیب مقرر کی۔"

نمونہ تحریر:-

"الہام ہوا کہ اے شبلی زبان تھام اور ترک ادب چھوڑ مجھ کو جو دوست رکھتا ہے اس کو میں سخت بلا میں گرفتار کرتا ہوں اور خوں بہا میں دیدار اپنا اور حیاتِ جاودانی دیتا ہوں۔ اے کریم! یہ قتل اور خوں بہا اس عاجز پُر معاصی کو عنایت کر صدقہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔"

اختتام کتاب قلمی:-

"الحمد للہ کہ کتاب قلمی مقاصد الصالحین تصنیف نواب خان بہادر خاں صاحب بہادر صدر امین بریلی حسب فرمائش قاضی سرفراز علی بخطِ بے ربط بندۂ گنہگار محمد نیاز علی ولد محمد ناصر علی خاں ساکن شاہجہانپور محلہ خلیل بتاریخ ۱۲ شعبان المعظم

یوم شنبہ ۱۲۷۰ھ باتمام رسید"

اولاد و ازواج جیسا کہ ابتدائی اوراق میں بیان ہو چکا ہے نواب خان بہادر خاں حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے پوتے تھے شجرہ حسب ذیل ہے :-

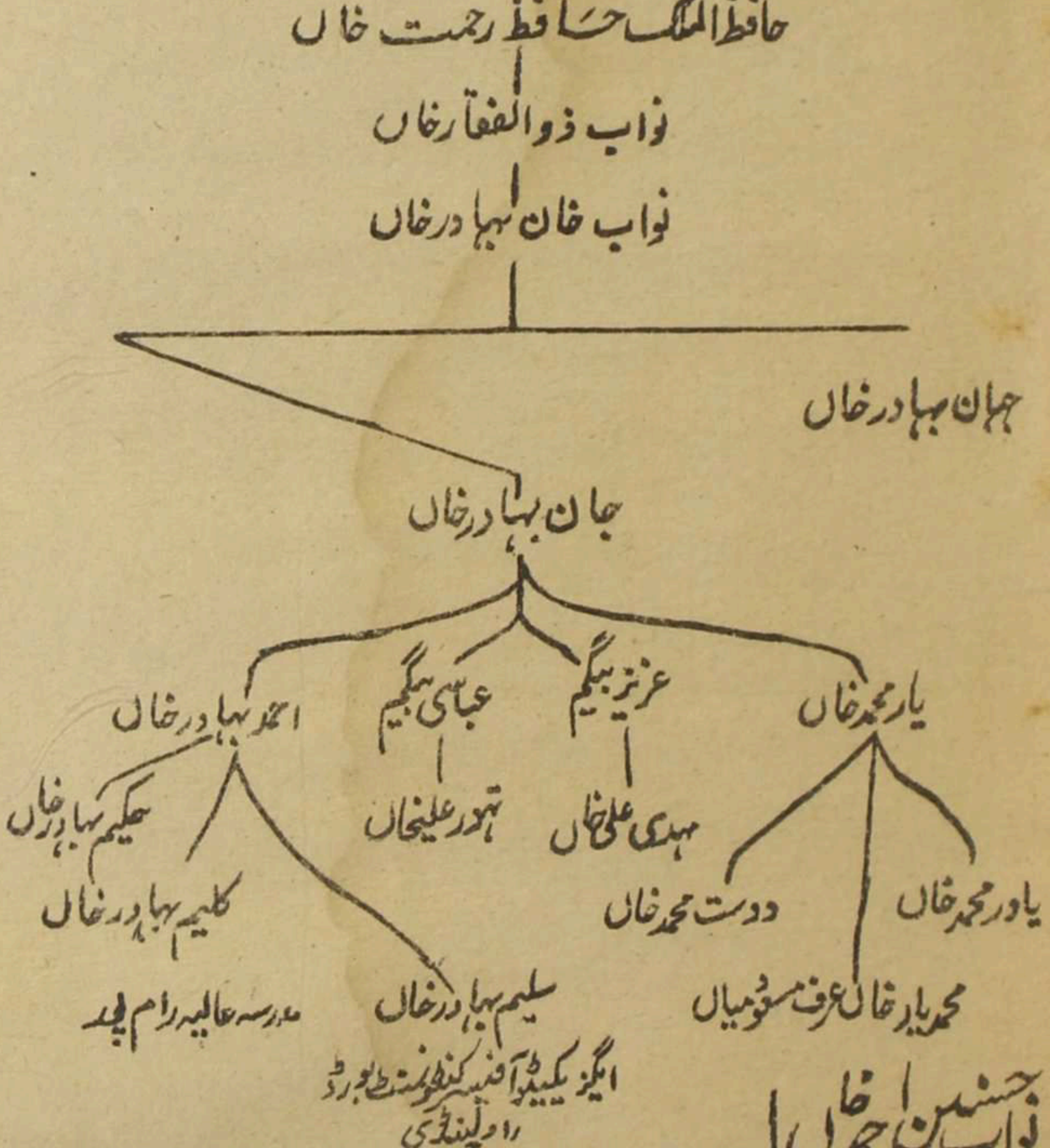

نواب حسنین احمد خاں کی روایت

نواب حسنین احمد خاں صاحب عرف رفیق میاں خاندان رحمت خانی کے ممتاز فرد ہیں۔ بریلی سے ہجرت کرنے کے بعد ہری پور ہزارہ

میں قیام پذیر ہیں اور صدر انجمن مہاجرین ہیں۔ آپ کی روایت درج ذیل ہے:۔

"خان بہادر کی بیگم کا نام ممتاز بیگم تھا جب خان بہادر خاں پریشانی کے عالم میں بریلی سے روانہ ہو رہے تھے اُس وقت انہوں نے چھاؤنی اشرف خاں بریلی کے اپنے اعزا ظفر یار خاں اور اُن کے بھائیوں کو بُلایا اور کہا کہ میں دم واپسیں تک انگریزوں سے جنگ کے ارادہ سے جا رہا ہوں بیوی بچّوں کی حفاظت اور دیکھ بھال تمہارے سپرد ہے۔"

چونکہ ظفر یار خاں صاحب نے بغاوت میں سرگرم حصّہ لیا تھا اس لئے بچّوں کو اُن کی سپردگی میں دینا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ بالآخر ہادی یار خاں آگے بڑھے اور نواب کے خوردسال صاحبزادہ جان بہادر خاں اور بیگم کو اپنی حفاظت میں لے کر کھیری ضلع شاہجہانپور کے قریب جنگلات میں روپوش ہو گئے۔ ظفر یار خاں جو اس خاندان کے سربراہ تھے گرفتار کر لئے گئے۔ اور پھانسی کا حکم ہوا لیکن اپیل پر رہا کر دیئے گئے۔ البتہ جائداد ضبط کر لی گئی۔ صرف چند باغات باقی رہ گئے تھے جن سے بمشکل گذر بسر ہوتی تھی۔

ایک تصحیح :۔ جناب مولانا امداد صابری صاحب رقمطراز ہیں کہ

"یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اُن کو پہلے پھانسی کی سزا دی گئی لیکن اپیل پر رہا کر دیے گئے بلکہ ظفر یار خاں صاحب کو پھانسی ہی دی گئی رہا

نہیں کیا گیا جب خان بہادر خاں کو شکست ہوئی تو اُن کے بعد آپ بھی شہید فرنگ ہوئے۔" (۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء ص ۲۲۳

مولفہ مولانا امداد صابری)

راقم موئلف مولانا موصوف کی کتاب لے کر ظفر یار خاں کے حقیقی پوتے شوکت یار خاں صاحبؒ کے پاس گیا جو خوش قسمتی سے نقل مکانی کے بعد محلہ رام سوامی کراچی میں مقیم تھے۔ آپ نے پُرنور الفاظ میں فرمایا کہ ہمارے دادا کو ابتداءً پھانسی اور بعد کو رہائی کے احکام ملے البتہ جائداد ضبط ہو گئی تھی۔ آپ نے اپنے والد حشمت یار خاں کا یہ فقرہ نقل کیا کہ "میاں (ظفر یار خاں) کی سزا ہم کو مل رہی ہے۔"

قیاس یہ کہتا ہے کہ نواب ظفر یار خاں اور فوجی خاندان کے فرد ظفر یار خاں میں التباس کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا ہے۔ خاندان حافظ رحمت خاں کے شجرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب ظفر یار خاں راسخ حافظ رحمت خاں کے لڑکے نواب دیدار خاں کی اولاد سے تھے۔ دوسری طرف ظفر یار خاں ایک فوجی عہدیدار خدا یار خاں کی اولاد میں تھے اس لئے ہو سکتا ہے کہ نواب ظفر یار خاں راسخ کی پھانسی کا واقعہ اور دوسرے فرد ظفر یار خاں کی رہائی دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہوں۔ بہر نوع یہ بات اس حد تک تصدیق طلب ہے کہ آیا چھاؤنی والے ظفر یار خاں سے نواب خان بہادر خاں کی قریبی رشتہ داری تھی یا نہیں البتہ جنگ آزادی کے بعد کی تصدیق ہوتی ہے خود اس روایت کے راوی نواب حسنین احمد خاں اس خاندان سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں

چھاؤنی والے خاں صاحب شاعر بھی نہیں تھے اس لئے بھی اس خیال کو تقویت ہوتی ہے کہ چھاؤنی والے ظفر یار خاں کے بارے میں اُن کے پوتے شوکت یار خاں کا بیان درست ہے۔ [۱]

انہوں نے ساری عمر تعلیم و تعلّم میں گذار دی۔ راقم پر بہت کرم فرماتے تھے محمد عثمان خاں کی وجہ سے اس خاندان کا نام روشن ہے۔ محمد عثمان خاں ریاضی میں گریجویٹ اور منسٹری آف فائننس اسلام آباد میں اسسٹنٹ ہیں۔

ہادی یار خاں کی سرگزشت

نواب خان بہادر خاں کی بیگم بہ ہمراہی ہادی یار خاں اور برادرانِ خورد جنگلوں کی خاک چھانتی رہیں۔ ہادی یار خاں اور اُن کے دیگر بھائیوں نے سوائے ظفر یار خاں کے بغاوت میں حصّہ نہیں لیا تھا اس لئے وہ محض بربنائے خوف ڈرے ہوئے تھے جنگلاتی زندگی میں اُن کی حالت بن مانسوں کی سی ہوگئی۔ جب عام معافی کی خبر گرم ہوئی اور نواب خان بہادر خاں بھی شہید ہوگئے تو یہ لوگ جان پر کھیل کر بریلی آئے۔ اور بیگم صاحبہ اپنے میکے کے رشتہ دار موسیٰ رضا خاں عرف چھٹن میاں ساکن محلہ ذخیرہ

---

[۱] ظفر یار خاں چھاؤنی والوں کا شجرہ حسب ذیل ہے:-
خدا بانخاں کے فرزند۔ ظفر یار خاں کے تین لڑکے حشمت یار خاں کے فرزند شوکت یار خاں
اُن کے لڑکے محمد علی خاں اور محمد عمر خاں کراچی میں مقیم ہیں۔
افسوس ہے کہ شوکت یار خاں کا حال ہی میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم عربی و فارسی کے بڑے عالم تھے

SCANNED BY rekhta

بریلی کے یہاں خاموشی سے فروکش ہو گئیں۔ ہادی یار خاں اور اُن کے دونوں بھائی شک کی بنا پر گرفتار کر لئے گئے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ خود ہی کلکٹر کے سامنے پیش ہو گئے۔ وہ اُن لوگوں کا حلیہ دیکھ کر بمشکل یقین کر سکا کہ یہ لوگ نواب خان بہادر خاں کے عزیز قریب ہیں۔ کلکٹر نے دریافت کیا کہ "تم لوگ کیوں آئے ہو؟ کیا تم کو جان کا خوف نہیں ہے؟"

جواب دیا گیا کہ سارا خاندان تباہ ہو چکا ہے اب زندگی کی تمنا ہی نہیں ہے۔ کلکٹر نے کہا :-

"تم لوگ اس قدر خراب حلیہ میں کیوں ہو؟"

کہا کہ پیسہ ختم ہو گیا فاقہ کشی کی نوبت پہونچی۔ کلکٹر نے ان لوگوں کو حوالات بھجوا دیا اور سرکاری طور پر حال حلیہ درست کروا دیا تحقیقات کے بعد باعزت بری کر دیا اور کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔ بعد کو ہادی یار خاں لکھنؤ میں کوتوالِ شہر مقرر ہوئے۔ اُن کے لڑکے فرحت یار خاں فرخ یار خاں اور باسط یار خاں تھے۔ نواب حسنین احمد خاں باسط یار خاں کے حقیقی بھانجے ہیں۔

ایک خاندانی روایت یہ ہے کہ بیگم خان بہادر خاں کے پاس کافی مال و متاع تھا لیکن ہادی یار خاں وغیرہم کی دیانت کی وجہ سے محفوظ رہا۔ اُن لوگوں نے فاقے تک کئے لیکن بیگم صاحبہ کے سرمایہ پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ اس رقم سے مکند لعل نامی ایک شخص کی معرفت بیگم صاحبہ نے ۱۹ گاؤں خریدے۔ مکند لعل نواب مرحوم کا قابل اعتبار کارندہ تھا لیکن اس نے صرف ایک گاؤں ہیتم نوگواں کے علاوہ باقی

سب اپنے نام سے خریدے۔ جب حقائق کھلے تو اس نے دھمکی دی کہ یہ سب مال گورنمنٹ کا تھا اطلاع دے کر گرفتار بلا کرادوں گا۔ بیچاری بیگم زہر کا سا گھونٹ پی کر رہ گئیں ان واقعات کی تردید و تصدیق نہیں ہوسکی۔ یہ گوشہ اب بھی تحقیق طلب ہے۔ جب جان بہادر خاں جوان ہوئے تو سرکاری ملازمت کے دروازے بند تھے۔ نواب صاحب رامپور کے یہاں کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ سنا ہے کچھ عرصہ گوالیار میں محکمہ پولیس میں ملازمت اختیار کی لیکن مخبروں نے اس روزگار کو بھی ختم کرادیا۔ بیگم صاحبہ ۱۹۱۲ء میں فوت ہوئیں اور جان بہادر خاں ۱۹۱۹ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

ہم گذشتہ ابواب میں بدایوں۔ پیلی بھیت۔ مراد آباد۔ بجنور وغیرہ کے مقامی ہنگاموں کی تفصیل کے ساتھ ساتھ غدارانِ وطن کی سرگرمیوں و نیز انگریزوں کے مظالم کی مختصر کیفیت بیان کرتے آئے ہیں۔ بریلی کے سلسلہ کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے:۔

"غلام جیلانی خاں اور دوسرے ممبر گرفتار کرانے پر مقرر تھے۔ کبیر شاہ خاں معہ صاحبزادہ افضل حسین خاں حجبیت حسین خاں پسران سعادت بندہ خاں۔ عنایت اللہ خاں عرف مُلّاں میاں پسران نواب اکبر حسین خاں۔ احسن خاں محسن خاں پسران نواب محمد حسین خاں رام پور اور اضلاع سے گرفتار کرکے لائے گئے اور تختۂ دار پر چڑھائے گئے۔ یہ ہی صورت سعد اللہ خاں مولوی خاں۔ مبارک شاہ خاں۔ احمد شاہ خاں۔ دستید

کالے میاں بشارت گنج والے وشاکر علی وغیرہ کے ساتھ پیش آئی۔"

انگریزوں نے فقرا تک کو نہیں چھوڑا چنانچہ جھنڈا شاہ میاں کو قید کرکے کالے پانی بھیجدیا۔

"یہاں اچھے اور نیکوں کا بھی یہ حال ہے کہ کوئی ٹاپو مولوی اور پنڈت اور درویش وغیرہ سے خالی نہیں ہے۔ جھنڈا شاہ ساکن بریلی مثل قطب کے برسوں سے مونٹ ہریٹ پر بیٹھا ہے۔ گو دسمبر ۱۸۷۲ء میں اس کی رہائی ہو گئی لیکن اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔" [1]

نواب خان بہادر خاں کے خانساماں کی سرگزشت

انگریزوں نے مظالم کرتے وقت مجرم غیر مجرم کی تخصیص نہیں کی جو زد پر آگیا دھر لیا گیا۔ نواب مرحوم کے خانساماں قاسم شاہ خاں بھی گرفتارِ بلا ہوئے۔ قید خانے کی سختیوں کی وجہ سے بیمار ہو گئے تھے۔ جب عدالت نے فیصلہ سنایا تو سننے اور سمجھنے کی تاب نہ رہی اور بے ہوش ہو گئے۔ کیونکہ کوئی جرم ثابت نہ ہوا تھا اس لئے رہا کئے گئے تھے۔ ماں غریب بہ ہزار دقت بے ہوش بیٹے کو گھر لائیں اور بڑے علاج و معالجہ کے بعد رو بصحت ہوئے۔ محلہ براہم پور (بدایوں) میں مقیم تھے۔ ڈبل روٹی اور کیک وغیرہ طبقۂ خواص کے واسطے بناتے تھے اور

---

[1] داستان عجیب عرف کالا پانی از محمد جعفر تھانیسری مرتبہ محمد ایوب قادری ایم۔اے۔

اپنی آن بان کے سامنے بڑوں بڑوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔نہایت سچے اور متقی بزرگ تھے۔ رسالہ "العلم" کراچی کے کاتب منشی "عفت علی خاں" یوسف زئی بدایونی پسر منشی علی بہادر خاں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے نانا حکیم مولوی عظیم اللہ خاں پیش امام جھنڈہ والی مسجد براہیم پور کے بڑے گہرے دوست تھے۔ قاسم شاہ خاں کے نواسے محمد ایوب شاہ خاں کراچی میں موجود ہیں۔ ان روایات کی مولوی سلیمان بدایونی مرحوم مؤلف بدایوں کا جہاد حریت نے خاکسار مولف کے سامنے تصدیق فرمائی تھی۔

سادات نو محلہ کی مصیبت!

بریلی کے قریب قریب سب ہی اچھے خاندان ہندو و مسلمان اور مسلمان خصوصاً جنگِ آزادی کے سلسلے میں شدید جانی و مالی آزمائشوں سے گذرے۔ساداتِ نو محلہ سے چونکہ روہیلوں کو عقیدت اور ارادت تھی لہذا ان لوگوں کو بھی دار و گیر کا نشانہ بنایا گیا اس خاندان کے بزرگ سید آل محمد صاحب مقیم کراچی راوی ہیں :۔

"میرے والد سید احمد حسن مرحوم و مغفور ایک دن گورنمنٹ ہائی اسکول بریلی کے وسیع و عریض احاطہ سے گزر رہے تھے تو آپ نے ایک کھجور کے درخت کی طرف باچشم تر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ درخت ہمارے مکان کے عالی شان دروازہ کے باہر تھا۔" جب انگریزی فوجیں شہر میں داخل ہوئیں تو ستر۔ اسی کے قریب

مستورات نو محلے کے عظیم الشان کنویں میں گر کر شہید ہو گئیں۔
ایک خاتون کسی نہ کسی شکل میں بچکر نکل بھاگیں۔ گود میں خورد سال
بچّہ تھا۔ شہر سے باہر کسی گاؤں میں پہونچیں تو کچے کنویں میں گر پڑیں۔
زندگی تھی کچھ خدا ترس لوگوں نے نکال کر پناہ دی۔ امن قائم
ہونے پر واپس آئیں۔ انھوں نے اپنے بچہ کی خالص اسلامی طرز پر
پرورش کی۔"

چونکہ اس زمانے میں لوگ شہزادہ فیروز شاہ کی مجاہدانہ اسپرٹ سے بیحد
متاثر تھے لہٰذا اس بچّہ کا نام فیروز شاہ رکھا گیا۔ مولوی فیروز شاہ نے بڑی شرافت
نیک نفسی کی زندگی گذاری۔ مرحوم بڑے اعلےٰ درجہ کے تیراک تھے جب بارشوں
کے زمانے میں بریلی کے قریب سے گزرنے والی قلعہ کی ندی طغیانی پر ہوتی تھی تو
اپنے کمالات فن کا اکثر مظاہرہ کرتے تھے۔ انھوں نے ساداتِ نو محلہ کا ایک طویل
شجرہ بھی مُرتب کیا تھا۔ سُنا ہے کہ اُن کے قریبی عزیزوں کے پاس ابھی تک موجود
ہے۔ زندگی مستعار باقی رہی اور خدا نے موقع دیا اور وطن بریلی کی آئندہ زیارت نصیب
ہوئی تو راقم اُن چیزوں کو دیکھنے کی کوشش کرے گا۔ انشاء اللہ

اس خاندان کے ایک اور بزرگ اسمٰعیل شاہ میاں مسجد نو محلہ میں اذان
دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ بہ یک وقت تیرہ سنگینیں اُن کے جسم میں پیوست
کردی گئیں لیکن جب تک سانس رہی اذان دیتے رہے۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

نو محلہ کے سادات میں سے اکثر انگریزوں کے ظلم وستم سے بچنے کی خاطر بہت بڑی تعداد میں آنولہ ضلع بریلی کے مشرق میں واقع ایک موضع کلیا میں پناہ گزین ہوئے یہ موضع نواب ندی اور ڈھاک کے جنگل کے قلب میں واقع تھا۔ آج کل یہ موضع کلیا ٹانڈہ کہلاتا ہے یہاں کے سادات عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

سکھوں کی بربریت

انگریزی فوجوں کے سکھ سپاہیوں کے دماغ میں یہ بات بیٹھا دی گئی تھی کہ مسلمانوں سے بدلہ لینا عین ثواب کی بات ہے اُن سکھوں کے ہاتھوں بھی مسلمانوں پر بڑے عذاب نازل ہوئے۔ بعض عزت دار عورتیں محمد فاضل پنجابی کے مکان کے قریب والے کنوئیں میں کود گیئں۔ فوجیوں نے اُن کو زندہ نکال نکال کر قتل کیا۔ کاظم علی خاں رام پوری کے مکان کے پاس فوج پڑی تھی۔ لوگ گرفتار ہو کر آتے اور گولیوں سے اُڑائے جاتے تھے۔

مولوی نجم الحسن صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر کراچی راوی ہیں کہ امام باڑہ فتح علی شاہ واقع محلہ قلعہ کے بھی مکینوں کو انگریز پھانسی دینے کا انتظام کر چکے تھے کہ عین وقت پر شیخ بدر الدین مشہور انگریز نواز کوتوال کی مداخلت پر جانیں بچ گیئں۔

سنا ہے کہ شیخ بدر الدین کا خاندان آجکل افلاس کا شکار ہے۔

(متعلق صفحہ گزشتہ) راقم کی پردادی عجائب بیگم فیروز شاہ شہزادہ کی بہادری اور دلیری کے واقعات اپنے بچپن سے سُنتی آتی تھیں لہٰذا خاندان میں جب کوئی نومولود ہوتا تو آپ فیروز شاہ ہی نام تجویز فرماتی تھیں۔

باب (۱۹)

وفادارانِ سرکار

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں سے وفاداری کرنے والوں پر انعام کی بارش کی گئی جو تفصیلات مختلف ذرائع سے بہم دست ہوسکی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) ٹھاکر لاکھن سنگھ آف بدھیلی خطاب راؤ بہادر آنریری مجسٹریٹ ۸ ہزار روپیہ کی مالگذاری کا علاقہ دوسروں کا ضبط شدہ۔

(۲) ٹھاکر رگھوناتھ بدھیلی۔ پانچ ہزار روپیہ مالگذاری کا علاقہ مجاہدین کا ضبط شدہ

(۳) ٹھاکر ظالم سنگھ آف راجپور دو ہزار روپیہ مالگذاری کی ریاست

(۴) بیج ناتھ مصرا بینکر۔ راجہ کا خطاب ۲۸ گاؤں محبانِ وطن کے ضبط شدہ۔ اس شخص نے دباؤ کے تحت مجاہدین کو روپیہ تو دیا لیکن درپردہ انگریزوں سے ملا رہا۔ (دیکھو سین تاریخ جنگ آزادی)

(۵) لچھمی نرائن خزانچی۔ دو ہزار روپیہ مالگذاری کی زمینداری۔

(۶) چودھری نوبت رام۔ دو ہزار روپیہ کی مالگذاری کی جائداد۔

(۷) گنگا پرشاد تحصیلدار بدایوں۔ بارہ سو روپیہ مالگذاری کی زمینداری انعام میں ملی اور بریلی کا تحصیلدار مقرر ہوا۔

(۸) ٹھاکر بختاور سنگھ مراد آبادی (اس نے انگریزوں کی مدد کے واسطے ایک فوجی دستہ مرتب کیا تھا) قصبۂ شاہی کی تحصیلداری اور دو ہزار روپیہ کی مالگذاری کا علاقہ۔

(۹) شیخ بدرالدین کوتوال۔ بارہ سو روپیہ مالگذاری کا علاقہ (یہ شخص انگریزوں کے ساتھ نینی تال بھاگ گیا تھا اور بعد کو بھی مجاہدین پر مظالم میں پیش پیش تھا)[۱]

شکست کے اسباب یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے کہ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کیوں ناکام ہوئی؟ اس ضمن میں پروفیسر خلیق نظامی کی رائے یقیناً صائب ہے۔

"۱۸۵۷ء کی تحریک کی ناکامی مختلف اسباب کی بنا پر ہوئی جہاں تک انفرادی اور شخصی صلاحیتوں کا تعلق تھا، ہندوستان میں شجاعت و تہور کی کوئی کمی نہ تھی۔ رانی لکھشمی بائی۔ بخت خاں حضرت محل۔ تانتیا ٹوپی۔ خاں بہادر خاں۔ احمد اللہ شاہ کنور سنگھ وغیرہ برطانوی نمائندوں۔ کننگ۔ لارنس۔ نکلسن اور نرم

[۱] دیکھو گزیٹر روہیلکھنڈ۔

وغیرہ سے کسی طرح اور کسی حیثیت سے کم نہ تھے لیکن ایک فرق بہت بڑا تھا ہندوستانیوں میں یہ صلاحیتیں منتشر اور منتفرق طور پر کام کر رہی تھیں اور انگریزوں نے اپنی قوت متحدہ مقاصد کی بار آوری میں لگا دی تھیں۔ ہندوستانی سپاہیوں میں مقصد کا اتحاد بالکل مفقود تھا۔ مختلف طبقات مختلف مقاصد کے لئے لڑ رہے تھے۔ برخلاف اس کے ہر برطانوی سپاہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے لڑ رہا تھا اُن کے مقاصد ایک تھے اور طریقۂ کار میں بھی زیادہ فرق نہ تھا"[1]

بریلی روہیل کھنڈ کی جنگِ آزادی کی ناکامی کے مندرجہ ذیل وجوہ ہو سکتے ہیں:۔

(۱) دہلی۔ لکھنؤ۔ کانپور کے مورچوں کی ناکامی۔

(۲) ریاست رام پور کی غدارانہ روش!

(۳) ہتھیاروں کی برتری۔ مجاہدین کی تلواریں انگریزی سنگینیں اور توپخانہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔

(۴) آخر وقت میں رام پور کے باشندہ جاندار مقاومت کا مظاہرہ نہیں کر سکے کیونکہ جب ایک دفعہ بھاگے تو سیدھے رام پور جا کر ٹھہرے

---

[1] مقدمہ روزنامچہ عبداللطیف از پروفیسر خلیق احمد نظامی

جہاں جان بچ جانے کی زیادہ توقع ہوتی بصورت دیگر آخر وقت تک مقابلہ کرتے۔

(۵) مجاہدین کا نظام جاسوسی ناقص تھا۔

(۶) آخر میں شاہزادہ فیروز شاہ اور مولوی احمد اللہ شاہ کی خاموش کشمکش بھی انتشار کا سبب بنی۔ مولوی احمد اللہ شاہ بڑے بے نفس مجاہد تھے اس لحاظ سے اُن کا حق مقدم تھا۔ شاہزادہ فیروز شاہ دہلی کے مغل خاندان کا فرد اور حقیقی مجاہد ہونے کی بنا پر اپنے آپ کو سب سے برتر سمجھتا تھا۔

(۷) خان بہادر خاں کے پاس روپیہ کی شدید قلّت بھی بڑی انتظامی کشمکش کا سبب بنی

(۸) مقامی راجپوتوں اور بنیوں کا عدم تعاون

فیصلہ عدالت نواب خان بہادر خاں شہید

ذیل میں نواب خان بہادر خاں کا ایک فیصلۂ عدالت سید الطاف علی بریلوی کے تمہیدی نوٹ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے :-

"نواب نظام الدولہ محافظ الملک خان بہادر تنویر جنگ والیِ روہیل کھنڈ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک فیصلہ راقم کے

پاس محفوظ چلا آرہا تھا۔ اس کی فارسی نقل اور اردو ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔
فیصلۂ مذکور کو قابلِ مطالعہ بنانے اور اردو ترجمہ کرنے کی خدمت محترمی مولوی نثار احمد صاحب نے انجام دی ہے۔ جناب نثار احمد صاحب سیتا پوری (یو۔ پی) کے مشہور وکیل اور سابق چیرمین میونسپل بورڈ ہیں۔ آج کل کراچی میں ایگریکلچرل فائینس کارپوریشن میں مشیر قانونی کی اہم خدمت پر مامور ہیں۔ مسلم لیگ کوارٹرس ناظم آباد میں قیام ہے قانوندانی کے علاوہ فارسی دانی آپ کی بہت ہی اونچے قسم کی ہے اور اس زمانے میں قابلِ رشک ہے۔ نواب خان بہادر خاں کے مذکورہ فیصلہ کو پڑھنا اور ترجمہ کرنا آسان کام نہ تھا جو جناب نثار صاحب نے چٹ پٹ انجام دیا۔
فیصلہ کا جنگِ آزادی سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن پھر بھی چونکہ وہ خان بہادر خاں کا تحریر کردہ ہے۔ اس لئے اس کی زبردست اہمیت ہے فیصلہ کے آخر میں خان موصوف کے دستخط بھی ہیں جو اس سے پہلے کہیں دیکھنے میں نہ آئے۔ دوسرے اس سے فارسی زبان میں اُن کی قوتِ اظہار اور قانونی مہارت پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔"

فی الوقت یہ فیصلہ عدالت آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے قائم کردہ جنرل بخت خاں میوزیم میں آویزاں ہے۔

فارسی فیصلہ یہ ہے:۔

فارسی

28783 فیصلہ عدالتِ دیوانی ضلع بریلی بہ تجویز نواب خان بہادر خاں صدر امین۔

واقع ہفت دہم ماہ مئی ۱۸۳۹ء

حسین بخش مُدعی مُفلس — شیخ عظیم الدین حسن وکیل

بہادر مدعا علیہ قوم......... ساکن محلہ شاہ آباد منحلات شہر بریلی غیر حاضر

"امروز مقدمہ ہذا بمواجہ وکیل مدعی و غیر حاضری مدعا علیہ روبکار شدہ کاغذات مسل از نمبر یک تا نمبر آخر بہ ملاحظہ در آمد معلوم شد کہ مدعی بعد تقدیم شرائط مفلسی واقع پنجم فروری ۱۸۳۹ء عرضی نالش بہ دعویٰ مبلغ ششصد روپیہ ده آنہ زر اصل و سود بموجب تمسک محررہ نہم جمادی الثانی ۱۲۳۷ھ لغایت ۱۲۵۱ھ بنام مدعا علیہ[1] خلاصہ حضور صاحب جج بہادر گزرانیدہ بود کہ مدعا علیہ بتاریخ نہم جمادی الثانی ۱۲۳۷ھ مبلغ سہ صد ہفتاد پنجم روپیہ یازدہ آنہ از مسماۃ وزیرن والدہ مدعی دوازدہ روپیہ پنج آنہ از محمد بخش

۱ے قوم پڑھنے میں نہیں آیا۔ ۲ے پڑھنے میں نہیں آیا۔

رہنگی چہار صد ہفتاد و پنجم روپیہ قرض گرفتہ دستاویز بر تمسک نوشتہ
داد از ان جملہ زر یافتنی خدا بخش ادا کردہ و منجملہ زر یافتنی والدہ
مُدعی کہ بہ اضافہ سود المضاعف ہفت صد پنجاہ و یک روپیہ
و شش آنہ ذمّہ مُدعا علیہ بود لغایت دہم جمادی الثانی ۱۲۵۱ھ
یک صد پنجاہ روپیہ دوازدہ آنہ وصول و شش صد روپیہ دہ آنہ
باقی واجب الادا است و ادا نمی کند۔ فقط

مقدمہ سپرد ایں عدالت شد بعد اجرائے اطلاعنامہ چہارم
مارچ ۱۸۳۹ء ملاحظہ رپورٹ ناظر مشعر عدم دستیابی مدعا علیہ اشتہار
میعادی پانزدہ یوم برائے احضار مدعا علیہ جاری گشت ششم مارچ
وکالت نامہ مدعی موصوفہ عظیم الدین حسن داخل شد یازدہم اپریل
بہ نظر غیر حاضری مدعا علیہ اشتہار میعادی ہشت یوم برائے مہیا داشتن
وجہ ثبوت جاری گشت سوم مئی وکیل مدعی دستاویز مبنائے دعویٰ
از طرف بہادر و غفور تعدادی چہار صد ہفتاد و پنج روپیہ موصوفہ
وزیرن و خدا بخش حسب تفصیل مصرحہ عرضی دعویٰ بر کاغذ اسٹامپ
قیمتی ایک روپیہ درخواست طلبی گواہان بہ استماع حکیم شیخ نور محمد
و شیخ عبداللہ و شیخ چھوٹے و میکو غزت خاں و کریم گزرانید سفینہ
جاری گشت و ہماں تاریخ وکیل مدعی قطع سوال مشعر ایں کہ در تمسک

نام غفور پسر مدعا علیہ بنا بر اطمینان نویسانیدہ شدہ بود و در حقیقت گیرندۂ ازدیہاد مدعا علیہ است و غفور قبل از نالش نوت کردہ و تذکرۂ ہذا بسبب گذاشتن عرضی اصالتاً بہ سہو نویسندہ واگذار شد معاف فرمودہ شود۔ فقط

دہم مئی اظہارات عزت خاں و کریم بخش گواہان و یازدہم مئی اظہار شیخ میکو و شیخ چھوٹے گواہان مدعی بحلف تحریر یافت روبکار ہذا وکیل مدعی درخواست تحریر اظہار غلام قادر خاں چپراسی ملازم ایں محکمہ برندۂ اطلاع نامہ برائے مزید ثبوت اقرار مدعا علیہ تحریر یافت بعدہٗ از وکیل مدعی استفسار شد کہ از بیان شیخ میکو و شیخ چھوٹے گواہان مدعی تحریر شدن تمسک عوض اسباب و چیزے زر نقد معدوم می شود و در تمسک مدعائے نالش تصریح ایں امور یافتہ نمی شود باعث حیثیت عرض کرد کہ ہر گاہ مسماۃ وزیرن مادر مدعی چیز نقد و باقی اسباب بہ مقدار مبلغان مندرجۂ تمسک جہت [1] .... برادری تشخیص کردہ حوالہ مدعا علیہ نمود و مدعا علیہ زر ش ذمۂ خود قبول نمودہ تمسک بر اقرار سود نوشتہ

---

[1] عبارت پڑھنے میں نہیں آئی

داد لہذا تمسک بمضمون حروف صرف بابت مبلغان مذکور تحریر یافت و برائے ہماں مبلغان مندرجہ تمسک نالش بہ عمل آمدہ و دستور است کہ ہرگاہ بابت کدام معاملہ زر نقد ذمہ شخص مدیون قراری نماید از معاملہ قطع نظر کردہ تمسک بابت مبلغان بمضمون معرّف تحریری نمایند۔ فقط

ازاں جا کہ بہ اظہارات عزت خاں و کریم بخش گواہانِ مُدعی وصول شدن مبلغ یک صد پنجاہ روپیہ از نزدِ مدعا علیہ بابت تمسک مبنائے نالش مُدعی واضح است و بہ اظہاراتِ شیخ میکو و شیخ چھوٹے گواہانِ مدعی مرقوم حاشیہ تمسک گرفتن مدعا علیہ اسباب و نقد بمقدارِ زر مندرجہ تمسک از مادرِ مُدعی و نویسانیدہ دادن تمسکِ مذکور موصوفہ مادرِ مُدعی و خدا بخش برادر علاتی مُدعی بہ تفصیل سہ صد ہفتاد و پنج روپیہ یازدہ آنہ بنام مسماۃ وزیرن مادرِ مُدعی و نہ یافتن نام خدا بخش مذکور و نیز حصول شدن زر یافتنی خدا بخش مذکور بخوبی ثابت است نیز بر ظہر دستاویز تمام و کمال زر یافتنی خدا بخش و یک صد پنجاہ روپیہ دوازدہ آنہ منجملہ زر یافتنی مادرِ مدعی بتواریخ مختلفہ صیغہ وصول مندرج و سکوت مدعا علیہ باوصف اجراء اطلاعنامہ

داشتہار دلیل بے عذری اوست وبلکہ بفحوائے اظہار غلام قادر خاں
چپراسی دہم اظہار عزت خاں وکریم بخش گواہانِ مُدعی معترف بودن
مُدعا علیہ بموجب زر مدعی واضح لہٰذا در وجوبِ دعوے مدعی بابت
زر دستاویز ہیچ اشتباہ نیست، الا مدعی کل زر دعویٰ را المضاعف
کردہ نالشی است بہ دانست ایں جانب نظر ایں کہ وصول مندرجہ
بہ ظہر تمسک واضح تواریخ مختلف بودہ است لہٰذا سود زرِ وصولی
اُنچہ کہ زیادہ از مضاعف بناشد لغایت تواریخ وصول دسود باقی
بحساب المضاعف می باید کہ بدیں حساب مبلغ ہشتاد سہ روپے
سیزدہ آنہ سہ پائی شود زر وصولی و دو صد بست وچہار روپیہ
پانچ دہ آنہ بقیہ زر اصل و دو صد بست چہار روپیہ پانچ دہ آنہ
بابت سود المضاعف بقیہ مذکور ہمگی مبلغ پانچ صد سی و سہ
روپیہ سہ پائی می شود حکم شد کہ بحقِ مُدعی برائے مبلغ پانچ صد
سی و سہ روپیہ پانچ دہ آنہ سہ پائی منجملہ زرِ دعویٰ بر مدعا علیہ
ڈگری گردد مدعا علیہ زر مذکور معہ سود آئندہ از تاریخ فیصلہ تا
ادا بر کل زرِ ڈگری بہ مدعی ادا نماید خرچہ عدالت حسب رسد
ذمہ مدعا علیہ است باقی ذمہ مدعی آید گردد دکیل مدعی زر محنتانہ
خود...... زر خرچہ بقدر رسد از مدعا علیہ و باقی از مدعی خواہد

یافت دستک بنام ناظر برائے ادخال زرخرچہ جاری شود۔

فقط دستخط

خان بہادر خاں

ترجمہ اُردو

نمبر ۲۳۷۸۳ فیصلہ عدالتِ دیوانی ضلع بریلی ۔ تجویز نواب خان بہادر خاں

صدر امین

واقع ۱۷ مئی ۱۸۳۹ء

حسین بخش مُدعی مفلس شیخ عظیم الدین حسن وکیل

بہادر مدعا علیہ........ ساکن محلہ شاہ آباد منحلات شہر بریلی غیر حاضر

آج کے دن یہ مقدمہ وکیل مدعی کی موجودگی اور مدعا علیہ کی غیر حاضری میں پیش ہوا۔ مسل کے کاغذات ۱ سے آخر نمبر تک مُلاحظہ ہوتے۔ معلوم ہوا کہ مدعی نے شرائط مفلسی پیش کرنے کے بعد ۵ فروری ۱۸۳۹ء کو عرضی نالش مبلغ ۱۰/۵۰۰ روپے زر اصل و سود کے بارے میں بموجب تمسک نوشتہ ۹ جمادی الثانی ۱۲۳۷ھ لغایت ۱۲۵۱ھ بنام مُدعا علیہ حضور صاحب جج بہادر اس مضمون کے ساتھ پیش کیا کہ مدعا علیہ نے ۹ جمادی الثانی ۱۲۳۷ھ کو مبلغ -/11/375 مدعی کی والدہ مسماۃ وزیرن سے اور مبلغ 2/5/99 خدا بخش سے جملہ -/-/475 قرض لے کر دستاویز تمسک تحریر کر دیا تھا۔ منجملہ اس

روپے کے مدعا علیہ نے خدا بخش کا زریافتنی ادا کردیا ہے اور منجملہ زریافتنی والدہ مدعی کے بہ اضافہ سود در سود مبلغ ۔/751/3 لغایت ۱۰ رجمادی الثانی سال ۱۲۵۱ھ مدعا علیہ کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔ ازاں جملہ مبلغ ۔/150/12 وصول ہو چکا ہے اور مبلغ ۱۰/600 باقی واجب الادا ہے جس کو اُس نے اب تک ادا نہیں کیا۔ فقط

مقدمہ اس عدالت میں سپرد ہوا بعد اجرائے اطلاع نامہ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۸۳۹ء اور بعد ملاحظہ رپورٹ ناظر بابت نہ دستیاب ہونے مدعا علیہ کے اشتہار میعادی پندرہ دن مدعا علیہ کی حاضری کے لئے جاری کیا گیا۔ ۱۶ مارچ کو وکالت نامہ مدعی بنام عظیم الدین حسن داخل ہوا۔ ۱۱ اپریل کو بوجہ مدعا علیہ کی غیر حاضری کے اشتہار میعادی ۱۵ یوم بوجہ ثبوت پیش کرنے کے جاری ہوا۔ تیسری مئی کو مدعی کے وکیل نے دستاویز بنائے دعویٰ نوشتہ بہادر و غفور تعدادی 475 روپے مسمی وزیرن اور خدا بخش حسب تفصیل مندرجہ عرضی دعویٰ اسٹامپ قیمتی ایک روپے پر پیش کیا اور درخواست طلبی گواہان بنام حکیم شیخ نور محمد و شیخ عبداللہ و شیخ چھوٹے و میکو و عزت خاں اور کریم بیش کی جس کے بارے میں سفینہ جاری ہوا اور اسی تاریخ میں وکیل مدعی نے قطع سوال اس مضمون کا کہ تمسک میں مدعا علیہ کے لڑکے غفور کا نام اطمینان کے لئے لکھ دیا گیا تھا۔ درحقیقت قرضہ کا لینے والا بہادر مدعا علیہ ہے اور غفور نالش سے پہلے فوت ہو چکا ہے اور اس کا تذکرہ اصالتاً عرضی گذارنے کی وجہ سے لکھنے والے سے سہواً چھوٹ گیا ہے۔ معاف کیا جائے۔ فقط

۱۰ مئی کو عزت خاں اور کریم بخش گواہان اور ۱۱ مئی کو شیخ رحیم اللہ چپراسی برندہ اشتہار ۱۵ اور ۱۵ مئی کو شیخ میکو اور شیخ چھوٹے گواہان مدعی کے اظہار بحلف تحریر ہوئے بذریعہ روبکار وکیل مدعی نے غلام قادر خاں چپراسی جو اطلاعنامہ لے کر گیا تھا اور اس محکمہ کا ملازم ہے اس کا بیان با اقرار مدعاعلیہ بطور مزید ثبوت پیش کیا جو تحریر کیا گیا۔ بعدہٗ مدعی کے وکیل سے پوچھا گیا کہ شیخ میکو۔ شیخ چھوٹے گواہان مدعی کے بیان سے تمسک کا بالعوض اسباب اور کچھ زر نقد لکھا جانا پایا جاتا ہے اور تمسک بنائے دعوے میں ان باتوں کی تصریح نہیں پائی جاتی اس کا سبب کیا ہے عرض کیا جس وقت مسماۃ وزیرن مادرِ مدعی نے کچھ نقد اور باقی سامان مبلغان مندرجہ تمسک کے برابر بہ مطابق تشخص فریقین مدعاعلیہ کے حوالہ کیا اور مدعاعلیہ نے اتنا روپیہ اپنے ذمہ قبول کر کے سودی تمسک لکھدیا۔ ایسی صورت میں تمسک میں صرف ذکر روپیوں کا لکھا گیا اور ان میں روپیوں کے بارے میں جو تمسک میں درج ہے نالش کی گئی ہے۔ اور یہی دستور ہے کہ جس وقت کسی معاملہ کے بارے میں کوئی شخص نقد روپیہ ملنا اپنے ذمہ منظور کر لیتا ہے تو معاملہ کے قطع نظر تمسک میں عام طور سے صرف روپیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ فقط

عزت خاں اور کریم بخش گواہانِ مدعی کے بیانات سے مبلغ ./150 روپیہ کا مدعاعلیہ سے بابت تمسک بنائے دعویٰ وصول ہونا واضح ہے اور

شیخ میکو اور شیخ چھوٹے گواہانِ مُدعی کے بیانات سے جن کے نام تمسک کے حاشیہ پر درج ہیں مدعا علیہ کا اسباب اور نقد بمقدارِ زر مندرجہ تمسک اور مدعی سے پانا اور مادرِ مدعی اور خدا بخش برادر علاتی مدعی کے نام تمسک تعدادی -/315/11 تحریر کرا کر دینا اور خدا بخش کے نام کا نہ پایا جانا اور خدا بخش کے روپیہ کا واپس ملنا بخوبی ثابت ہے اور دستاویز کی پشت پر خدا بخش کے کل روپے اور منجملہ زر یافتنی مادرِ مُدعی کے مبلغ 0/12/ 150 بہ صیغہ وصول مختلف تاریخوں میں درج ہونا اور مدعا علیہ کا باوجود اطلاعنامہ اور اشتہار جاری ہونے کے خاموش رہنا مدعی کے دعوے کا ثبوت اور مدعا علیہ کی بے عذری کی دلیل ہے بلکہ غلام قادر خاں چپراسی عزت خاں اور کریم بخش گواہانِ مدعی کے بیان سے مدعی کے مطالبہ کو مدعا علیہ کا قبول کرنا واضح ہے لہٰذا مدعی کے زرِ دستاویز کے واجب ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ مگر مُدعی نے کل زرِ دعوے کے دُگنے کی نالش کی ہے۔ ایں جانب کی دانست میں اس بات کا خیال کرتے ہوئے کہ دستاویز کی پُشت پر مختلف تاریخوں میں روپے کا وصول ہونا پایا جاتا ہے لہٰذا وصول شدہ روپے پر سود المضاعف تاریخ وصول سے نہ ہونا چاہیئے باقی پر سود المضاعف مل سکتا ہے۔ اس حساب سے مبلغ 3/13/ 83 ہوتا ہے اور مبلغ 0/15/ 224 بقید زرِ اصل مبلغ 15/ 224 بابت سود المضاعف جملہ -/3/ 533 روپے برآمد ہوتا ہے۔ حکم ہوا کہ ڈگری بحقِ مُدعی بابت مبلغ 3/ 15/ 533 منجملہ زرِ مُدعی مُدعا علیہ کے خلاف صادر کی جاتی ہے۔ مدعا علیہ زرِ مذکور معہ سود آئندہ

تاریخ فیصلہ سے تا تاریخ ادائیگی زرڈگری مُدعی کو ادا کرے۔ خرچہ عدالت حسب رسد ذمہ مدعا علیہ عائد کیا جاتا ہے۔ باقی ذمہ مُدعی ڈالا جاتا ہے۔ وکیل مدعی اپنے محنتانہ کا روپیہ حسب رسد مُدعی سے پائے گا۔ ناظر کے نام زرخرچہ کی وصولی کے لئے دستک جاری ہو۔ فقط

دستخط خان بہادر خاں

کتابیات

۱ مقالاتِ شیروانی — مُصنّفہ نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمن خاں شیروانی مطبوعہ شیروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ (۱۹۴۶ء)

۲۔ کراماتِ نظامیہ — از مولانا محمد فائق مطبع نامی دہلی (۱۹۱۶ء)

۳۔ تواریخ بریلی (قلمی) — از گلزاری لعل (۱۸۴۷ء) مملوکہ نیشنل آرکائیو حکومتِ پاکستان۔ کراچی

۴۔ تاریخ سرکشی بجنور — از سر سید احمد خاں مرتبہ ڈاکٹر معین الحق مطبوعہ مشہور پریس۔ علی گڑھ (۱۹۶۲ء)

۵۔ حیات حافظ رحمت خاں — مؤلفہ سید الطاف علی بریلوی شائع کردہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس۔ کراچی

۶۔ تاریخ نوابان بنگش — از ولیم اروِن

۷۔ عہدِ بنگش کی سیاسی و علمی و ثقافتی تاریخ — از مفتی ولی اللہ۔ مترجمہ حکیم شریف الزماں مرتبہ محمد ایوب قادری۔ ایم۔ اے۔

۸-	تاریخ نوح قلمی	از منور علی مملوکہ سید الطاف علی بریلوی
۹-	رولرز آف انڈیا (لارڈ ہسٹنگز)	مصنفہ کپتان ایل جے۔ ٹراٹر۔ مترجمہ این حسن۔ ایم۔ اے۔
۱۰-	تاریخ اودھ جلد اول تا پنجم	از حکیم محمد نجم الغنی خاں رام پوری (لکھنؤ ۱۹۱۹ء)
۱۱-	وارن ہسٹنگز اور انگریزی راج	از ای۔ پی۔ مون مترجمہ سید اولاد علی گیلانی۔
۱۲-	سلطنت خداداد (میسور)	از محمد محمود
۱۳-	نواب امیر خاں	از مولوی اکبر شاہ خاں نجیب آبادی (لکھنؤ ۱۹۳۱ء)
۱۴-	افتخار التواریخ (تاریخ ریاست ٹونک)	از لالہ دیبی پرشاد (۱۹۰۴ء)
۱۵-	ہمارے ہندوستانی مسلمان	از ڈاکٹر ڈبلو۔ ڈبلو۔ ہنٹر
۱۶-	شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات	مرتبہ پروفیسر خلیق نظامی
۱۷-	حیات جاوید	مرتبہ مولانا الطاف حسین حالی
۱۸-	رسالہ اسباب بغاوت ہند	از سر سید احمد خاں
۱۹-	اخبار الصنادید	از حکیم محمد نجم الغنی خاں رام پوری (نولکشور پریس لکھنؤ)

۲۰۔ سیرت سید احمد شہید — ازمولانا ابوالحسن علی ندوی

۲۱۔ تاریخ روہیل کھنڈ — ازنیاز احمد خاں ہوش (مطبوعہ ۱۸۶۷ء)

۲۲۔ تاریخ روہیل کھنڈ — ازمولوی عبدالعزیز خاں عاصی

۲۳۔ تواریخ عجیب عرف کالاپانی — ازمولانا محمد جعفر تھانیسری مرتبہ محمد ایوب قادری مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی ۱۹۶۲ء

۲۴۔ تاریخ جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) — ازمسٹر سین شائع کردہ حکومت ہند۔ (بزبان انگریزی)

۲۵۔ سپاہیوں کی بغاوت (۱۸۵۷ء) — ازڈاکٹر آر۔ سی۔ مجمدار (بزبان انگریزی)

۲۶۔ سیرت سید احمد شہید — ازمولانا غلام رسول مہر

۲۷۔ یادداشت غدر — از ہنری کین۔ (بزبان انگریزی)

۲۸۔ ڈسٹرکٹ گزیٹر ضلع بریلی — (بزبان انگریزی)

۲۹۔ ڈسٹرکٹ گزیٹر ضلع مرادآباد — (بزبان انگریزی)

۳۰۔ ڈسٹرکٹ گزیٹر ضلع شاہجہان پور — (بزبان انگریزی)

۳۱۔ ڈسٹرکٹ گزیٹر ضلع بدایوں — (بزبان انگریزی)

۳۲۔ مغل شاہنشاہی کا زوال جلد ۳ — ازجادوناتھ سرکار (بزبان انگریزی)

۳۳- نقوشِ سلیمانی — از سلیمان خاں اسدؔ نبیرہ حافظ الملکؒ حافظ رحمت خاں

۳۴- محاربۂ عظیم — از کنھیا لعل کپور مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ (سنہ ۱۹۱۶ء)

۳۵- بیاض قلمی مولانا احسن نانوتوی — مملوکہ محمد ایوب قادری ایم۔ اے۔

۳۶- روزنامچہ غدر عبداللطیف — مرتبہ پروفیسر خلیق نظامی

۳۷- ہندوستانی سپاہ کے بہادرانہ کارنامے اور آرڈر آف میرٹ — شائع کردہ گورنمنٹ آف انڈیا شملہ سنہ ۱۹۲۵ء

۳۸- تاریخ عروج عہد انگلشیہ — از خان بہادر مولوی ذکاء اللہ دہلوی

۳۹- ۱۸۵۷ء — از محمد شفیع

۴۰- سنہ ۱۸۵۷ء — از خورشید مصطفےٰ رضوی

۴۱- علما کا شاندار ماضی — از مولانا محمد میاں الہ آبادی

۴۲- بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد — مرتبہ رئیس احمد جعفری

۴۳- بہادر شاہ ظفر — از ناظر کاکوروی

۴۴- ۱۸۵۷ء کے مجاہد — از غلام رسول مہر

۴۵- تاریخ کاملانِ رامپور — از مفتی احمد علی خاں شوق رامپوری

۴۶- روزنامچہ غدر — از ظہیر دہلوی

۴۷۔ کنز التاریخ (تاریخ بدایوں)	از مولوی رضی الدین بسمل بدایونی نظامی پریس بدایوں (۱۹۰۷ء)
۴۸۔ ۱۸۵۷ء کے ہیرو	از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی
۴۹۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط	مرتبہ پروفیسر خلیق انجم۔ دہلی
۵۰۔ کتابچہ خاندانی عبداللہ خاں بہ معہ نقول و اسناد	عطا کردہ افسران انگریزی (۱۹۱۵ء) پیلی بھیت۔ پربھودیال باسوا سٹیم پریس بریلی
۵۱۔ بدایوں کا جہادِ حریت	از مولوی محمد سلیمان بدایونی
۵۲۔ شیروانی نامہ	از مولوی محمد عباس خاں شروانی مطبوعہ شیروانی پرنٹنگ پریس علی گڑھ (۱۹۵۳ء)
۵۳۔ مرقع فیض	تالیف مولوی عنایت علی مطبوعہ مطبع یوسفی دہلی
۵۴۔ مولانا فیض احمد بدایونی	از محمد ایوب قادری
۵۵۔ تاریخ بنو حمید	از مولوی محمد انشاراللہ صدیقی حمیدی بدایونی (۱۹۱۷ء)
۵۶۔ تاریخ امروہہ	از جال احمد نقوی جلد اول اعظم پریس حیدرآباد دکن (۱۹۳۴ء)
۵۷۔ تاریخ شجراتِ ساداتِ امروہہ	از سید بشیر حسن
۵۸۔ تواریخِ واسطیہ	از سید رحیم بخش مطبوعہ (۱۳۰۸ھ)

۵۹- تاریخ امروہہ — از مولوی محمود احمد عباسی مطبوعہ ۱۹۳۰ء دہلی

۶۰- مشاہیر جنگِ آزادی — از مفتی انتظام اللہ شہابی شائع کردہ قرآن محل (سنہ ۱۹۵۷ء)

۶۱- باغی ہندوستان — از مولوی عبدالشاہد خاں شیروانی

۶۲- تاریخ عہد برطانیہ — از جے۔سی مارشمین۔ مترجمہ سید محمد عبدالسلام

۶۳- ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء — از مولانا امداد صابری مکتبہ شاہراہ اُردو بازار دہلی (۱۹۵۶ء)

۶۴- مسلمانوں کا روشن مستقبل — از مولوی سید طفیل احمد منگلوری

۶۵- مولوی احمد اللہ شاہ — از مفتی انتظام اللہ شہابی

۶۶- ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء — از مفتی انتظام اللہ شہابی

۶۷- قیصر التواریخ (تاریخ اودھ) — از سید کمال الدین حیدر لکھنؤ

۶۸- سرشار کی ناول نگاری — از ڈاکٹر لطیف حسین ادیب شائع کردہ انجمن ترقیِ اُردو کراچی

۶۹- لکھنؤ کا دبستان شاعری — از پروفیسر ابواللیث صدیقی

۷۰۔ مقاصد الصالحین — از نواب خان بہادر خاں (مملوکہ محمد ایوب قادری) ایم۔ اے۔

۷۱۔ ہندوستان کی حالت برطانوی تسلط کے قریب — مصنفہ سٹر الفرڈ لائل۔

۷۲۔ تحقیق وحدت الوجود والشہود معہ حالات مولانا شیخ محمد تھانوی — (۱۹۶۳ء)

۷۳۔ علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول و دوم — مترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی مرتبہ محمد ایوب قادری۔

۷۴۔ قاموس المشاہیر — مرتبہ مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی۔

۷۵۔ غدر کی کہانی — مترجمہ مولوی برکات احمد۔

فہرست اخبارات و رسائل

(۱) قومی زبان کراچی	ایڈیٹر مشفق خواجہ (ماہ مئی ۱۹۶۵ء)
(۲) تذکروں کا تذکرہ نمبر سالنامہ	ایڈیٹر علامہ نیاز فتح پوری مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری
(۳) روزنامہ نئی روشنی	ایڈیٹر سید عبدالحمید شملوی مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۵۷ء)
(۴) رسالہ بصائر کراچی (سہ ماہی)	ایڈیٹر ڈاکٹر معین الحق
(۵) العلم کراچی (سہ ماہی)	ایڈیٹر سید الطاف علی بریلوی (جنگ آزادی نمبر اور دیگر شمارے)
(۶) رسالہ نقوش لاہور	ایڈیٹر محمد طفیل
(۷) شجرہ خاندان نجیب الدولہ	مرتبہ مولوی عزیز احمد خاں راولپنڈی

(۸) اخبار مساوات
ہفت روزہ بریلی } ایڈیٹر مولوی عبدالرؤف خاں

(۹) رسالہ ماہِ نو کراچی

(۱۰) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء
اسپیشل نمبر "جنگ"
"انجام" کراچی
"امروز" "

مطبوعات کانفرنس اکیڈیمی

سعید منزل متصل سرسید گرلس کالج

بی روڈ ناظم آباد۔ کراچی

۱۔ "گلشن بے خار" مصنفہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ۔ ترجمہ معہ حواشی و تعلیقات از سید احسان الحق فاروقی۔ ایم۔ اے — 2 روپے

۲۔ "مشرقی و مغربی تہذیب" مصنفہ ڈاکٹر احسان محمد خاں۔ ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی — 3 روپے

۳۔ ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں — مؤلفہ علامہ سید سلیمان ندوی انگریزی ترجمہ از مرزا عاشق حسین ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی — 7 روپے

۴۔ " " " " بنگالی ترجمہ از مولانا غلام محی الدین ایڈیٹر "آج" ڈھاکہ — 3 "

۵۔ "مسلم خواتین کی تعلیم" مؤلفہ مولوی محمد امین زبیری مرحوم — 2 "

۶۔ "اسلامی نظام تعلیم"	مؤلفہ پروفیسر سعید احمد رفیق۔ ایم اے	-/3 روپے
۷۔ "شیخ عبد القدوس گنگوہی اور اُن کی تعلیمات"	مولانا اعجاز الحق قدوسی تعارف از ڈاکٹر اینی میری شمیل پروفیسر۔ بون یونیورسٹی	۱۰ روپے
۸۔ "علمائے سلف و نابینا علماء"	تصنیف نواب صدر یار جنگ۔ مولانا جبیب الرحمٰن خاں شروانی تعلیقات و حواشی مفتی انتظام اللہ شہابی و ثناء الحق صدیقی۔ ایم۔ اے۔	۹ روپے
۹۔ "اردو زبان اور اسالیب"	تصنیف سید محمود رضوی مخمور اکبرآبادی مقدمہ از جناب ممتاز حسن صاحب	۹ روپے
۱۰۔ "حکیم عمر خیام"	تالیف ابوالمکارم سلیم اللہ فہمی صاحب مقدمہ از سید الطاف علی بریلوی	2/50 "
۱۱۔ خط و خطاطی	مُصنفہ شیخ ممتاز علی جون پوری و محمد ایوب قادری ایم۔ اے۔ مقدمہ از جناب ڈاکٹر زبید احمد ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی	1/50 "
۱۲۔ "مکاشفات کشفی"	مُصنفہ خان بہادر مرزا ابو جعفر کشفی	-/3 "

۱۳- پاکستان کا معاشی پس منظر	مصنفہ سیّدہ انیس فاطمہ بریلوی۔ پیش لفظ از ڈاکٹر سیّد ظہیر الدین ایم۔اے۔ ڈی لٹ۔	3/50 روپے
۱۴- "ذکر و فکر"	مصنفہ سیّدہ انیس فاطمہ بریلوی مقدمہ از جناب انعام عظیم برنی۔ ایم۔اے	75 پیسے
۱۵- "چند عظیم علمائے جرائم"	انگریزی تصنیف مالکروب ہنٹرز کا اُردو ترجمہ از پروفیسر عبدالمجید قریشی	۱۰ روپے
۱۶- "تعلیمی نفسیات کا بُنیادی خاکہ"	از پروفیسر وحید الحق صدیقی سابق پرنسپل ٹریننگ کالج علی گڑھ۔ و سیّد منیر الدین احمد ایڈوکیٹ	4/ "
۱۷- علم و عمل جلد اوّل	فارسی تصنیف وقائع عبدالقادر خانی کا اُردو ترجمہ از مولوی معین الدین افضل گڑھی ترتیب و حواشی از محمد ایوب قادری بی۔اے تعارف از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی	8 روپے
۱۸- " " " جلد دوم	" " " " " " " " "	8 روپے

۱۹۔ "جان ڈوی کا فلسفہ تعلیم"	ڈاکٹر زورتھا اسپنس آرنٹ کی تالیف جان ڈویز فلاسفی آف ایجوکیشن کا اُردو ترجمہ۔ از سیّد عین الدین علوی ایم۔ اے	2/50 روپے
۲۰۔ "مقدر انسانی"	لی کامت دُو نوائے کی تصنیف "ہیومن ڈسٹنی" کا اُردو ترجمہ از پروفیسر عبدالمجید قریشی۔ ایم۔ اے	8 روپے
۲۱۔ "رومن رسم الخط اور پاکستان"	مُصنّفہ مولانا سیّد عبدالقدوس ہاشمی ندوی	50 پیسے
۲۲۔ "قدیم شہنشاہیاں"	مُصنّفہ مولانا سیّد طفیل احمد منگلوری (علیگ)	3 روپے
۲۳۔ اصول و اساسِ تعلیم	ہربرٹ سی نن کی عالمانہ تصنیف "ایجوکیشن اٹس ڈیٹا اینڈ فرسٹ پرنسپل" کا اُردو ترجمہ از انعام عظیم برنی، و اخلاص حسین ایم۔ اے۔ و محمد حسین خاں زبیری ایم۔ اے۔ و سیّد بدرالحسن اور سیّد اظہر حسین رضوی۔ ایم۔ اے۔	7 روپے

۲۴۔ "اصولِ تدریس"	رائبرن اور فورج کی کتاب "پرنسپلس آف ٹیچنگ" کا اُردو ترجمہ۔ از اخلاص حسین زبیری ایم۔ اے	5 روپے
۲۵۔ "حیاتِ مابعد"	مُصنّفہ سیّد ضامن حسین نقوی گویا جہان آبادی	3/50 روپے
۲۶۔ تجدیدِ امثال	مُصنّفہ سیّد ضامن حسین نقوی گویا جہان آبادی	2 روپے
۲۷۔ "طالب علم کی ڈائری"	مُصنّفہ سیّد الطاف علی بریلوی بی۔ اے (علیگ)	3 روپے
۲۸۔ "مقاصدِ تعلیم"	اے۔ این وہائٹ ہیڈ کی تصنیف "ایمس آف ایجوکیشن" کا اُردو ترجمہ از سیّد محمد تقی ایڈیٹر روزنامہ جنگ کراچی۔	5 روپے
۲۹۔ "ارتقائے انسانی" (جدید سائنس کی روشنی میں)	مؤلفہ مولانا سیّد طفیل احمد منگلوری (علیگ)	2 روپے
۳۰۔ جمہوریت اور تعلیم حصہ اوّل	جان ڈیوی کی تصنیف "ڈیماکریسی اینڈ ایجوکیشن" کا اُردو ترجمہ از	

سیّد محمّد تقی ایڈیٹر روزنامہ "جنگ" کراچی — 5 روپے

۳۱- جمہوریت اور تعلیم (حصۂ دوم) — جان ڈیوی کی تصنیف "ڈیماکریسی اینڈ ایجوکیشن" کا اُردو ترجمہ از سید محمد تقی ایڈیٹر روزنامہ جنگ کراچی — 5 روپے

۳۲- "پراسرار کائنات" — (سر جیمس جینس کی کتاب "مسٹریس یونیورس" کا اُردو ترجمہ) از سیّد محمد تقی ایڈیٹر "روزنامہ جنگ" کراچی — 6 روپے

۳۳- مُشاہیر کے تعلیمی نظریئے — مؤلفہ محمد حسین خاں زبیری - ایم - اے (علیگ) — 4 روپے

۳۴- "مادری زبان کی تعلیم" — مُصنّفہ پروفیسر یونس حسن فروغ علوی - ایم - اے — 3 روپے

۳۵- ثقافت و انتشار — میتھو آرنلڈ کی شہرۂ آفاق کتاب "کلچر اینڈ انارکی" کا اُردو ترجمہ) از انعام عظیم برنی ایم - اے - و اخلاص حسین ایم - اے -

۳۶- "نقد ادب" — آل احمد اکبرآبادی - مقدمہ از جناب مخمور اکبرآبادی — 3 روپے

۳۷۔ "عظیم علمائے نفسیات" — اردو ترجمہ گریٹ سائیکلو جسٹس مصنفہ ایس سارجنٹ۔ پی۔ ایچ۔ ڈی مترجمہ پروفیسر عبدالمجید قریشی — 12 روپے

۳۸۔ حیات حافظ رحمت خاں — مؤلفہ سید الطاف علی بریلوی بی۔ اے۔ (علیگ) — ۱۵ روپے

۳۹۔ رفقائے عظیم — ہیکس ایسٹ مین کی تصنیف گریٹ کمپینینس از پروفیسر محمد حامی الدین خاں ایم۔ اے۔ — ۱۵ روپے

۴۰۔ مفکرین تعلیم — پروفیسر ضیاء الدین احمد ایم۔ اے — 7 روپے

۴۱۔ راہی اور راہنما — سید الطاف علی بریلوی بی۔ اے — 6 روپے

۴۲۔ تعلیمات حضرت شاہ مینا — الحاج مولوی خصلت حسین صاحب صابری۔ ایم۔ اے — 3 روپے

۴۳۔ سرسید کا علمی کارنامہ — قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی — 2 روپے

۴۴۔ عہد بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ — تالیف مفتی ولی اللہ فرخ آبادی۔ مترجمہ حکیم شریف الزماں اکبر آبادی حواشی و تعلیقات مسٹر محمد ایوب قادری ایم۔ اے۔ — 12 روپے

۴۵۔ تعلیمی مسائل — پس منظر اور پیش منظر، مصنفہ سیّد الطاف علی بریلوی — 8 روپے

۴۶۔ اقبال کا نظریۂ تعلیم — از محمد احمد صدیقی ایم اے (علیگ) — 8 روپے

۴۷۔ مشاہیر کے تعلیمی نظریے — (انگریزی ترجمہ)

زیر طبع

۴۸۔ لائف آف حافظ رحمت خاں — مؤلفہ سیّد الطاف علی بریلوی بی اے (علیگ) مترجمہ پروفیسر حامی الدین خاں ایم۔ اے۔

۴۹۔ ہسٹری آف مسلم ایجوکیشن — جلد اول

۵۰۔ ہند کے اسلامی عہد میں تعلیمی ترقی — تصنیف ڈاکٹر این۔ لا۔ ترجمہ اخلاص حسین زبیری ایم۔ اے۔ و سلطان فاطمہ ایم۔ اے

۵۱۔ تعلیمات غالب — مصنفہ مولوی رفیع الدین بلخی مرحوم ایڈوکیٹ پٹنہ

طبع اوّل کا خیر مقدم

حضرت مولانا محمد میاں مصنّف علماء کا شاندار ریمارک

ان مجاہدین کے کارناموں سے روشناس کرانا ہمارا ایک ملّی فریضہ ہے۔ سیّد صاحب نے ایک جانباز مجاہد کے متعلق اس فریضہ کو محققانہ انداز میں بہت خوبی سے انجام دیا ہے۔ جزاہم اللہ!

جناب غلام قادر غبار ایڈیٹر رسالہ فیض الاسلام

راولپنڈی

یہ کتاب جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے ایک مجاہد کی داستان ہے جس نے روہیلکھنڈ میں انگریزوں کے اقتدار کے خلاف تحریک آزادی میں سرگرم حصّہ لیا اور بے سروسامانی کے باوجود انگریزی فوجوں کو شکست دے کر اس علاقے میں عارضی طور پر اپنی حکومت قائم کرلی۔ اس داستانِ جہاد کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس قومی آزادی کے حصول کی خاطر جس کا تصور آج کم وبیش ایکسو سال پہلے ہندوستان کے مسلمانوں کے

دماغوں میں پیدا ہوا۔ انہوں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود کس استقلال و جوانمردی سے جدوجہد کی اور آج وہی آزادی حاصل ہو جانے کے بعد پاکستان کا مسلمان کس حد تک اس کی کماحقہ قدر کر رہا ہے .... اس داستانِ جہاد میں پاکستان کے مسلمانوں کے لئے اس خداداد آزادی کی قدر و قیمت جاننے اور اپنے فرائض کو پہچاننے کے لئے ہمت انگیز اور عبرت اندوز حقائق موجود ہیں۔

جناب افتخار حسین فائنینشل منیجر السیو لمیٹڈ کراچی

وفادارانِ سرکار انگریزی کی فہرست .... سے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کی دولت و تجارت میں فوقیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

جناب مشیر احمد علوی ناظر کاکوروی لکھنؤ (بھارت)

عزیزی مصطفےٰ علی کا تاریخی تصور قابل رشک ہے؛

روزنامچہ الجمعیت دہلی

روہیل کھنڈ کے بڑے بوڑھے اس نام سے ناآشنا نہیں تھے کیونکہ یہ

وہ جانباز مجاہد ہے جس نے ۱۸۵۷ء میں بریلی میں ایک آزاد حکومت قائم کی پھر اپنے ہزاروں مجاہدین کے ساتھ ایک عرصہ تک انگریزوں سے برسرِ پیکار رہا۔ انگریزی دور کے خاتمہ تک ان کا نام لینا پاپ اور اُن کا تذکرہ شائع کرنا جُرم تھا۔ مگر شہدا لافانی زندگی کے مالک ہوتے ہیں اُن کی فنا دستاویز بقا ہوتی ہے۔ چنانچہ سو سال کے بعد جب کم از کم تین نسلیں فنا ہو چکی ہیں اس شہید کا نام روشن ہو رہا ہے۔ یہ کتاب اسی روشنی کی ایک کرن ہے۔

سید مصطفےٰ علی صاحب بریلوی نے اس کو محققانہ انداز میں مرتب کیا ہے جو بات لکھی ہے حوالہ اور سند کے ساتھ لکھی ہے۔ یہ کتاب تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے قابل قدر ذخیرہ ہے۔

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند۔ بھارت۔ جون ۱۹۶۵ء

"اس کتاب میں سید مصطفےٰ علی بریلوی بی کام نے تاریخی حوالہ جات کے ساتھ نواب شہید کے حالاتِ زندگی اور اُن کی معرکہ آرائیوں کی تصویر تیار کی ہے یہ کتاب ہماری مکمل زندگی کے تاریخی لٹریچر میں ایک معلومات افزا اضافہ ہے۔"

SCANNED BY rekhta

العلم

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کا سہ ماہی رسالہ

زیر ادارت

مشہور ماہر تعلیم اور مصنف و ادیب مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی۔ بی۔ اے (علیگ)

اس رسالہ میں مملکتِ پاکستان کی تعلیمی ترقی اور ثقافتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ مشاہیر اہل قلم کے لکھے ہوئے علمی اور تاریخی مضامین و مقالات شائع ہوتے ہیں۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی علمی و ادبی جدو جہد کے متعلق معلومات درج ہوتی ہیں۔ اور عوام کی واقفیت کو وسیع تر کرنے کے لئے دلچسپ خبریں اور تبصرے ہوتے ہیں۔

چندہ آٹھ روپے سالانہ

قیمت: فی پرچہ دو روپے

کانفرنس کو کم از کم دس روپے سالانہ چندہ ممبری دینے والے حضرات کی خدمت میں رسالہ مفت پیش کیا جاتا ہے۔

SCANNED BY rekhta

NAWAB KHAN BAHADUR KHAN

(A Martyr of the Freedom-Fight of 1857)

(Second Edition)

by

SYED MUSTAFA ALI BRELVI (B. Com.)

With an Introduction

by

Prof. MOHD. AYUB QADRI, M. A.

Price Rs. 4.00

ACADEMY OF EDUCATIONAL RESEARCH,
All Pakistan Educational Conference, KARACHI
1966